سلسلۂ مشاہیر اسلام
(نمبر ۱)

جُنید بغدادی

یعنی

حضرت ابوالقاسم جُنید رحمہ اللہ کے سوانح عمری۔ تعلیمات
آپ کا تصوف۔ اور آپ کے اقران و تلامذہ

مؤلفہ
مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر مؤلف تاریخ سندھ و تاریخ
ارض مقدس۔ و مصنف مشہور و مقبول ناولہای ملک العزیز ورجنا
ایام عرب۔ فتح اندلس و فردوس برین وغیرہ وغیرہ

[illegible]ء میں
دلگداز پریس لکھنؤ میں چھپ کے شائع ہوئی

سلسلۂ مشاہیر اسلام

ہر زبان کی لٹریچر مین جن نامورون اور بزرگون کے نام آیا کرتے ہین اُن کے حالات تھوڑے بہت اُس مین ضرور موجود ہوتے ہین — مگر اردو زبان اس دولت کے لحاظ سے نہایت ہی مفلس ہی — اسی خیال سے ارادہ کیا گیا ہی کہ جن مشاہیر کے نام ہمارے بچون تک کو یاد ہوا کرتے ہین اُن کے سوانح عمری مرتب کرنے کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیا جائے کہ ہر ایک کے حالات مین ایک مستقل رسالہ تحقیق و تنقید کے ساتھ مدوّن ہو جائے۔ اگرچہ احباب و قدردانون کی حوصلہ افزائی سے یہ سلسلہ شروع کر دیا گیا — تیمناً و تبرکاً پہلے مشائخ صوفیہ کی طرف توجہ کی گئی چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا نمبر جنید بغدادی پبلک کے ہاتھ مین ہی — اور اُس کی قیمت عہ ہی — جن صاحبون کو ضرورت ہو فوراً طلب فرمائین — دوسرا نمبر "ابوبکر شبلی" جس مین حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مرتب کیے گئے ہین زیر طبع ہے —

قدردانون سے اُمید ہے کہ اس سلسلہ کی قدر افزائی فرمائین گے — اور عام اجازت دے دین گے کہ اِس کا ہر نمبر شایع ہوتے ہی مزید اطمینان کے لیے ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کارڈ بھیج کے اُن کی خدمت مین ویلیو پے ایبل بھیجدیا جایا کرے — قیمت کسی نمبر کی ایک روپیہ سے زیادہ نہ رکھی جائیگی یہ سلسلہ تو برابر جاری رہے گا — لیکن اگر قدردانون کی تعداد زیادہ ہوئی تو اِس سلسلہ کے نمبر جلد جلد شایع ہون گے — اور زیادہ سستے کر دیے جائین گے — ہمین اپنے احباب سے خاصۃً اور قدردانان مُلک سے عموماً اُمید ہے کہ خود بھی اِس سلسلہ کی سرپرستی فرمائین گے اور اپنے احباب کو بھی اُسکی ایک ایک جلد کی خریداری پر مجبور کرین گے — ہم محنت کرنے کو تیار ہین — لیکن اِس کو تقویت دے کے جاری رکھنا اور عام پبلک کو اِس کی طرف متوجہ کرنا اہل مُلک اور خصوصاً مسلمانون کا کام ہے —

الملتمس منیجر دلگداز
لکھنؤ — کٹرہ بزن بیگ خان

ڈیڈیکیشن

عالی جناب نواب سلطان الملک بہادر ادام اللہ مکارم اخلاقہ
جیسی عنایت اس فقیر کے حال پر فرماتے رہے ہین اور جو
محبت اُنھین اپنے اِس ادنے خادم کے ساتھ ہے اُس
کی یادگار مین اِس کتاب کو مین اُنھین کے مبارک نام
سے معنون کرتا ہون ۔

خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

التماس

مین سنے ایک زمانے تک غور و فکر مین معروف رہنے کے بعد اِس تجویز پر کاربند ہونے کا ارادہ کیا ہی کہ جو مشہور اور نامی گرامی بزرگان سلف ہماری ایشیائی شاعری کے عنصر بنے ہوئے ہین عام اِس سے کہ کسی طبقہ اور کسی فن سے تعلق رکھتے ہون اُن کے حالات امکانی جُستجو و تلاش اور تحقیق و تنقید کے بعد شایع کیے جائین - اور ہر بزرگ کے حالات مین ایک مستقل رسالہ تیّار کر دیا جائے - حُصول برکت کے لیے مین نے سب کے پہلے مشائخ صوفیہ کو منتخب کیا جن مین سے حضرت جنید بغدادی - ابو بکر شبلی بایزید بُسطامی - ابراہیم ادہم - اور حسین ابن منصور حلّاج وغیرہ کے نام ہماری نظم و نثر مین بار بار آتے ہین - مگر جن کی زبان پر یہ نام آتے ہین اُنھین مین سے اکثر اُن کے حالات سے بالکل بے خبر ہین مشائخ صوفیہ کے بعد دیگر لوگون کا مرتبہ ہے جیسے حاتم طائی سخاوت کا ہیرو ہے - مجنون و لیلے - فرہاد و شیرین عشق کے ہیرو ہین - اِسی طرح کے اور بھی صدہا نام ہین جو کسی خاص ہُنر یا جوہر سے تعلق رکھتے ہین - کیا اچھا ہو اگر اِن سب کے حالات مین ایک ایک ایسا رسالہ اُردو زبان مین موجود ہو جائے جو تحقیق و تفتیش کے بعد مرتب اور عمدہ عبارت مین تصنیف کیا گیا ہو - اِس بارے مین مجھے سب سے زیادہ شکر گزار نواب ابو نصر علی حسن خان بہادر کا ہونا چاہیے جنھون نے اپنے گران بہا کتب خانے سے فائدہ اُٹھانے کا پورا موقع دیا -

تاہم بغیر اِس کے کہ قدر دانون کی ایک کافی تعداد پیدا ہو جائے ایسی جُرات میرے امکان مین نہ تھی - لیکن تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ قوم مین ایسے فیاض و بلند حوصلہ قدر دان موجود ہین جو ایسے کامون کی جُرات کرتے وقت دستگیری کو موجود ہو جاتے ہین چنانچہ مندرجہ ذیل امرا اور بلند حوصلہ قدر دانون نے اُس تعداد مین جو اُن کے معزز نامون کے سامنے

لکھی ہوئی ہے اِس سلسلہ کے ہر رسالہ کی خریداری منظور فرمائی - جن کا مین نہایت شکر گزار ہون - اور اگر یہ سلسلہ مفید ثابت ہوا تو اُردو لٹریچر ہمیشہ اُن کا زیر بار احسان رہے گا -

(۱) عالی جناب راجہ نوشاد علی خان بہادر تعلقدار میلا رائے پور (اودھ) ۵۰ جلدین

(۲) عالی جناب نواب ابو نصر علی حسن خان صاحب بہادر رئیس بھوپال (لکھنو) ۲۰ جلدین

(۳) مولٰنا مولوی محمد عبد الغنی صاحب عظیم آبادی وارثی (حیدر آباد دکن) ۱۰ جلدین

(۴) جناب مولوی سیّد برکات احمد صاحب (لکھنو) ۵ جلدین

(۵) عالی جناب نواب برق الدولہ برق جنگ بہادر (حیدر آباد دکن) ۲ جلدین

(۶) حافظ جلیل حسن صاحب جلیل جانشین حضرت امیر مینائی (حیدر آباد دکن) ۲ جلدین

حضرات موصوف کے علاوہ تقریباً اسّی قدر دانان علم نے تیار ہوتے ہی ایک ایک جلد ویلیو پے ایبل بھیج دینے کی اجازت عطا فرمائی - جن کے اسمائے گرامی بھی اِس سلسلہ کے کسی آیندہ نمبر مین شایع کر دیے جائین گے -

جب بے اشتہار دیے اور بغیر کوئی نمونہ پیش کیے صرف پرائوٹ کوشش کے نتیجہ مین اتنے قدر دان مل گئے ہین تو جنید کی یہ لائف شایع ہو جانے کے بعد ہمین ملک سے بہت زیادہ اعانت کی اُمید ہے - اور جو فہرست ہم دوسرے نمبر مین شایع کرین گے وہ زیادہ حوصلہ دلانے والی ہو گی -

خاکسار محمد عبد الحلیم شرر اڈیٹر دلگداز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

از بادِ صبا پیام او مے شنوم ۔۔۔ وز بلبل مست نام او مے شنوم
این نقش عجب کہ دیدہ ام بر درِ دل ۔۔۔ آوازۂ آن ز بامِ او مے شنوم

تمہید

تیسری صدی ہجری کا زمانہ وسطی اسلام کے عروج کا زمانہ تھا۔ اور ایسا دور تھا کہ جیسے باکمال اسلام کے آغوش مین پرورش پاکر اُن دنون تیار ہوسکے پھر کبھی نہین نظر آئے۔ اُسی بابرکت عہد کے لوگ تھے جن کے نقش قدم پر بعد والے چلتے رہے اور وہی گران پایہ بزرگ تھے جن کی پیروی مسلمانون کے لیے ہمیشہ ذریعۂ فلاح رہے گی۔

واقعی وہ عجیب دینی اور علمی خیر و برکت کا عہد تھا جب کہ مفسرین اپنے روحانی الہامون سے کلام ربّانی کے رموز و حِکَم کا پتہ لگا رہے تھے۔ محدثین اقوال و افعالِ حضرت

رسالت کی جستجو اور تحقیق و تنقید کے بعد اُن کے مدون کرنے کی دُھن مین لگے ہوئے
تھے۔ فقہا اپنی دقیقہ سنجی کی محنت سے روز بروز ثابت کرتے جاتے تھے کہ دُنیا اپنی عام
معاشرت اور نیز اپنے نظام حکمرانی و تمدن مین شریعت اسلامیہ کی کس قدر محتاج ہے
اور ذات یزدانی سے لو لگانے والے بزرگان دین اپنی خانقاہون مین خاموش
بیٹھے ہوئے عالم باطن کے وہ مراحل طے کر رہے تھے جہان تک فرشتون کی بھی
رسائی نہ ہو سکتی تھی۔

اُسی زمانے مین ایک دن کا واقعہ ہے کہ بغداد کے اُس بازار مین جہان
قربانون کے کاغذات فروخت ہوتے تھے کسی مکان کے اندر ایک نوعمر عورت دلکش
آواز اور وجد مین لانے والی دُھن مین یہ اشعار گا رہی تھی۔

اذا قلتُ اہدی الہجر لی حلل البلیٰ — تقولین لولا الہجر لم یطب الحبٗ

جب مین کہتا ہون کہ ہجر نے مجھے مصیبت کے خلعت عطا کیے تو وہ جواب دیتی ہے کہ
اگر ہجر نہ ہوتا تو محبت مین مزہ بھی نہ تھا۔

وان قلتُ ہذا القلب احرقہ الہوی — تقولی بنیران الہوی شرف القلب

اور اگر کہتا ہون کہ عشق نے اس دل کو پھونک دیا تو وہ کہتی ہے کہ عشق کی آگ ہی نے
تو دل کو شرافت عطا کی ہے۔

وان قلتُ ما اذنبت قالت مجیبۃً — حیاتک ذنبٌ لا یقاس بہ ذنبٗ

اور اگر کہتا ہون کہ مین نے کیا خطا کی تو جواب دیتی ہے کہ خود تیری زندگی ہی اتنا بڑا گناہ
ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہین ہو سکتا۔

اِن اشعار اور اُس دلربا کے گلے نے شاید بہتون کو اپنی کشش سے راستہ

روک کے کھڑا کر دیا ہوگا۔ بہتوں کی زبان سے بے اختیار "واہ!" کا کلمۂ تحسین نکل گیا ہوگا۔ اور بہتوں نے متاثر ہو کے بے تحاشا آہ فلک دوز کھینچی ہوگی۔ لیکن اِن سب کے مذاق سے الگ ایک پاکباز صاحب باطن رہرو پہ یہ نغمہ اور یہ جادو بھری آواز قیامت کا اثر کر گئی۔ اُس نے بے تحاشا ایک نعرہ مارا۔ اور اُس پر ایسا عالم وجد طاری ہوا کہ دروازے پر کھڑا ہو کے ستون کی طرح جھومنے لگا۔ اُس کا نعرۂ مستانہ سُن کے راہگیر ٹھٹک کے کھڑے ہو گئے۔ قرب و جوار کے لوگ جوش ہمدردی سے دوڑ پڑے۔ اور خود مالک مکان بھی گھبرا کے باہر نکل آیا۔ مالک مکان نے باہر آتے ہی پوچھا "کیا ہوا؟" اُس از خود رفتہ صاحب دل نے عجز و فروتنی سے جواب دیا "مجھے اِس نغمے نے بیتاب کر دیا۔" اِس کے بعد گانے کی آواز سُننا اور اپنا بیتاب و بیخود ہو جانا غرض ساری سرگزشت صاف صاف اور بلا کم و کاست کہہ سُنائی۔ مکان والا بھی اہل دل کا قدرشناس۔ فیّاض اور منچلا تھا۔ ایک شریف دنیاسیر شخص کو اس بیتابی و مدہوشی کے عالم مین دیکھ کے عرض کیا "حضرت یہ میری لونڈی کی آواز تھی۔ آپ کو اُس سے لبستگی پیدا ہو گئی ہے تو وہ آپ ہی کی نذر ہے۔" یہ کہتے ہی اندر جا کے لونڈی کو باہر نکال لایا۔ اور اُس کا ہاتھ اِن بزرگ کے ہاتھ مین دے کے کہا "اب یہ آپ کی ہو چکی۔ آپ کو اختیار ہے چاہیے یونہین اپنے تصرّف مین لائیے اور چاہیے آزاد کر کے نکاح پڑھا لیجیے۔" یہ بزرگ بھی کوئی معمولی شخص نہ تھے۔ اُن کی بیخودی کسی شہوانی جوش اور سیہ کاری کے جذبے کا نتیجہ نہ تھی۔ لونڈی پر قابو پایا تو اُسی جگہ اُور اُسی مقام پہ آزاد کر کے اپنی خانقاہ کے ایک شریف ہم مذاق دوست کے ساتھ اُس کا نکاح پڑھ دیا۔ اور آگے کی راہ لی۔[ع]

ع ‍ وفیات الاعیان لابن خلکان۔ حالات جنید بغدادی رح۔

اس واقعہ کی یادگار مین اُدھر اُس لونڈی کے بطن سے تو چند روز بعد ایک صاحب علم وفضل لڑکا پیدا ہوا جس نے پاپیادہ تیس حج کیے۔ ادھر ان بزرگ کی بھی عجب حالت ہو گئی۔ یہ نغمۂ دلکش ان کے پُرشور دل پر کچھ ایسا اثر کر گیا تھا کہ اسی ایک سُریلی تان اور جادو بھری آواز نے سچی فنائیت کے رتبے پر پہونچا کے ولی کامل بنا دیا۔

یہ بزرگ کون تھے ؟ انھین کوئی گم نام وغیر معروف شخص نہ خیال کرو۔ یہ ایک بڑے اعلیٰ پایہ کے ولی کامل تھے۔ اور وہ شخص تھے جن کا نام حقیقت وعرفان کے عالم مین ہمیشہ آفتاب عالمتاب کی طرح چمکتا رہے گا۔ یہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ جن کے نام کا ساری دُنیا ادب کرتی ہے جنھوں نے ریاضت ونفس کُشی اور صفاے باطن کے اعتبار سے اسلام مین امامت کا مرتبہ حاصل کیا ہے جنھین مشائخ باطن اپنا پیشرو تسلیم کر کے سید الطائفہ کے لقب سے یاد کرتے ہین۔ اور جن کے حالات کو ہماے ناظرین ان اوراق پر تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمائینگے۔

تصوف

لیکن حضرت جنید کے حالات کی طرف توجہ کرنے سے پہلے ضرورت ہے کہ تصوف کی اصلیت اور اُس کی مختصر تاریخ بیان کر دی جاے۔

حضرت رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک تک چونکہ اسلام مین کسی قسم کی تفریق نہین ہوئی تھی۔ عقائد اور تعلیم نے نئے نئے شگوفے نہین کھلاے تھے لہٰذا ہر پیرو اسلام کے لیے مسلم کا سادہ اور عام لفظ استعمال کیا جاتا۔ اور وجودین

اسلام قبول کرتا فقط مسلم یا مومن کہلاتا لیکن چند ہی روز مین باہمی امتیاز کی ضرورت محسوس ہونے لگے۔ سب سے پہلے جو امتیاز قائم ہوا وہ صرف قدامت سبقت اسلام اور ۵ دست گزاری دین کے حقوق کے لحاظ سے تھا۔ سب مین زیادہ ممتاز عشرہ مبشرہ تھے۔ اُن کے بعد جنھین حبشہ کی ہجرت اُولی نصیب ہوئی تھی۔ پھر وہ جو ہجرت کر کے مدینۂ طیبہ مین آئے۔ اور اُن کے بعد وہ جن کو غزوۂ بدر مین شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ آن حضرت کے بعد جب اسلام ممالک دور و دراز مین پھیلنا شروع ہوا تو مسلمانون مین صحابی اور غیر صحابی کا امتیاز قائم ہوا یعنے جن لوگون کو حضرت سرور کائنات کا دیدار نصیب ہوا۔ اور جنھین نہین نصیب ہوا۔ جب صحابہ کا دور ختم ہونے کو آیا تو تابعی کا لفظ پیدا ہوا۔ یعنے اُن لوگون کی عزت کی جانے لگی جنھون نے کسی صحابی کا جلوہ دیکھا تھا۔ پھر تابعین کے بعد تبع تابعین یا تابعین کی زیارت کا فخر رکھنے والے معزز و محترم تصور کیے جانے لگے۔

تبع تابعین کے آخر عہد مین بلکہ تابعین ہی کے زمانے مین علوم دینی کی تقسیم شروع ہو گئی قراء قرآن تو پہلے سے چلے آتے تھے۔ مگر اب مفسر۔ محدث۔ فقیہ اور مورخ پیدا ہوئے اِن سب کے علاوہ عابدون اور زاہدون کا ایک اور طبقہ بھی تھا جو زہد و تقوی اور عبادت و ریاضت کے اعتبار سے کسی اعزازی خطاب کا مستحق تھا۔ پہلے تو یہ لوگ صرف "عابد" یا "زاہد" کہے جاتے تھے۔ لیکن دوسری صدی ہجری ختم نہین ہونے پائی تھی کہ ان کے لیے صوفیہ کا ایک نیا اور انوکھا لفظ پیدا ہو گیا۔

وہ عابد و زاہد کے لفظ بہت مناسب تھے۔ اور شاید اُن کے چھوڑنے کی

ع۵ تلبیس ابلیس۔ لابن جوزی رح۔

ضرورت نہ پیش آتی لیکن خرابی یہ ہوئی کہ اب طرح طرح کے مبتدع فرقے پیدا ہونے لگے تھے جن کی جدا جدا جماعتیں قائم ہوتی جاتی تھیں۔ اور ہر فرقہ اپنے پرہیزگاروں اور اپنے گروہ کے مرتاض لوگوں کو "عابد" و "زاہد" کے لقب سے یاد کرتا۔ اور اہل سنت اور دیگر مبتدع فرقوں کے عبّاد و زہّاد میں سے امتیاز اٹھتا جاتا تھا۔ زاہدان اہل سنت نے جب یہ رنگ دیکھا تو اپنے لیے صوفی کا لفظ اختیار کیا۔[۱] جو اہل سنت کے عابدوں زاہدوں اور مشہور متقی پرہیزگاروں کے ساتھ مخصوص تھا۔

چنانچہ اہل سنت میں سے جو لوگ دنیا کی طرف سے بے پروا ہو کے خدا سے لو لگاتے۔ پوری پابندی کے ساتھ شرعی احتیاطوں کو برتتے۔ اور تزکیۂ نفس کرتے وہ صوفی کہے جانے لگے۔ اور ان کا فن اور مذاق تصوف کے لقب سے مشہور ہوا۔

مگر اس میں لوگ مدتوں سے غلطاں پیچاں چلے آتے ہیں کہ یہ لفظ ہے کہاں کا اور اس کی اصلیت کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ صوف سے نکلا ہے جس کے معنی بکری کے بالوں کے ہیں۔ بعض اس کی اصلیت صُفّہ سے نکالتے ہیں جس کے معنی چبوترے کے ہیں۔ حضرت سرور کائنات کے زمانے میں مسجد نبوی کے رقبے کے اندر ایک چبوترا تھا جس پر چند غریب اور فلاکت زدہ صحابی پڑے رہا کرتے تھے۔ اور آنحضرت کی اور نیز مستطیع مہاجرین و انصار کی فیاضی پر زندگی بسر کرتے تھے۔ اس چبوترے پر رہنے کی وجہ سے ان کا نام اصحاب صُفّہ پڑ گیا تھا۔ بعض لوگ اس کی اصلیت صفا کے لفظ کو بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ چونکہ صفائے باطن کیا کرتے تھے لہذا صوفی مشہور ہوئے۔ بعض کا قول ہے کہ شین تصوف صفت کے لفظ سے نکلا ہے۔

---

[۱] رسالۂ قشیریہ۔ ۹۔

چونکہ یہ لوگ زہد وعبادت کے لحاظ سے صف اول مین تھے اس لیے صوفی کہلائے۔ عہ

مگر یہ سب باتین بے بنیاد اور خلاف قیاس ہین۔ یہان تک کہ خود علامہ قشیری نے ان تمام توجیہون کی تردید کردی ہے۔ انھین مجبوریون سے بعض متقدمین نے یونانی زبان کے الفاظ فلاسوفی اور تھیاسوفی کو دیکھ کے کہہ دیا کہ تصوف کا اصلی ماخذ یونانی زبان ہے۔ مگر سب سے زیادہ قابل وثوق اور مستند رائے علامہ ابن جوزی کی معلوم ہوتی ہے۔ وہ ولید بن قاسم کی روایت سے بیان کرتے ہین کہ جاہلیت عرب مین صوفہ نام ایک گروہ تھا جو لوگ تارک الدنیا ہو کے عبادت وریاضت مین مشغول ہو جاتے اور کعبے کے پاس بیٹھے رہا کرتے تھے۔ یہ صوفہ لوگ خاندان غوث بن مر مین سے تھے جو تمیم بن مرہ کا ایک قبیلہ تھا۔ پھر بعد بعثت نبوی اسلام مین جو لوگ اُن کے ہم مذاق پیدا ہوئے وہ بھی انھین کی جانب منسوب ہو کے صوفی کہے جانے لگے عہ

اب ہمین اس پر غور کرنا چاہیے کہ تصوف کا لفظ ابتداءً چاہے جہان سے نکلا ہو مگر اسلام مین اِس سے کیا مطلب سمجھا گیا۔ مشاہیر صوفیہ علی الخصوص صاحب دل بزرگان سلف نے تصوف کی تعریف مین عجیب عجیب خیالات ظاہر کیے ہین جن سے عالمانہ فصیح البیانی۔ شاعرانہ نازک خیالی۔ فلسفیانہ دقیقہ سنجی۔ اور عارفانہ خدارسی غرض سب ہی طرح کے کمالات ظاہر ہوتے ہین۔ ابو محمد جریری نے کہا "ہر اچھے اخلاق مین داخل ہونا اور ہر بُرے اخلاق سے نکل آنا تصوف ہے"

جنید بغدادی نے فرمایا "تصوف وہ ہے کہ خدا اُسی سے تجھے مارے اور اُسی سے تجھے جلائے" اور ایک اور موقع پر کہا "تصوف یہ ہے کہ تیرے اور اللہ کے

عہ رسالہ قشیریہ ۱۶۴ و ۱۶۵۔ عہ تلبیس ابلیس۔

درمیان مین کوئی واسطہ نہ باقی رہے۔" حسین بن منصور نے کہا "صوفی ذات کا اکیلا ہے نہ کوئی اُسے قبول کرتا ہے اور نہ وہ کسی کو قبول کرتا ہے۔" سمنون نے کہا تصوف یہ ہے کہ نہ تو کسی چیز کا مالک ہو اور نہ کوئی چیز تجھ پر قبضہ رکھتی ہو۔" رویم نے کہا تصوف سے عبارت نفس کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔" ذوالنون مصری نے صوفیون کی نسبت فرمایا" یہ ایک گروہ ہے جس نے ہر چیز کو چھوڑ کے اللہ کو اختیار کیا۔ اور اس کے نتیجے مین اللہ جل شانہ نے سب چیزون کو ترک کرکے انھین اختیار کیا۔"[ع] اسی طرح کی صدہا پُرلطف تعریفین ہین جن کو افسوس کہ اس رسالے مین زیادہ گنجائش نہ ہونے کے باعث ہم نہین نقل کر سکتے۔

اصل مین صوفی وہی پُرانے عبّاد و زہاد تھے جو نفس کشی۔ اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس کی کوشش کرتے تھے۔ اور گو یہ بالکل عملی فن تھا۔ اور ضبط تحریر مین آنا مشکل تھا۔ مگر فقہا و محدثین کی طرح مشائخ صوفیہ مین بھی اپنے اصول باطن اور رموز روحانی کے مدوّن و منضبط کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ فہرست ابن الندیم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیون مین سے یحییٰ بن معاذ رازی نے جن کی وفات ۲۵۸ھ مین ہوئی سب سے پہلے تصوف مین کتاب المریدین لکھی۔ ان کے بعد بشر بن حارث المتوفی ۲۲۷ھ حارث بن اسد محاسبی المتوفی ۲۴۳ھ ابن ابی الدنیا المتوفی ۲۸۱ھ جو المکتفی باللہ کے اتالیق تھے۔ اور ابو حمزہ صوفی وغیرہ دیگر مشائخ اور علما نے تصوف نے زہد و تقویٰ اور دیگر مسائل تصوف کو تحریر مین منضبط کیا۔[ع]

ع رسالۂ قشیریہ ۱۶۵ و ۱۶۶۔

ع کتاب الفہرست لابن الندیم ۲۶۴۔

اب یونانی فارسی اور سنسکرت زبانون کے علوم بڑی تیزی سے عربی زبان مین ترجمہ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ لہذا دیگر علوم وفنون کی طرح اِن قومون کے الہیات سے بھی اہل عرب آشنا ہوئے۔ یہان اس وقت تک خالص زہد و تقوےٰ اور سیدھی سادی پیروی سُنت چلی آتی تھی۔ اب مرتاضان یونان و ہند کے حالات نظر آئے تو اسلام کے زہاد وعباد کا بھی رنگ بدلنے لگا۔ اور سچ یہ ہے کہ جس طرح فلسفۂ یونان نے اصول وعقائد اسلام مین اعتزال پیدا کیا اُسی طرح یونانیون اور دیگر غیر قومون کے الہیات اور اُن کی رُہبانیت نے مسلمان اتقیا کو عابد وزاہد سے صوفی صافی بنا دیا۔

اب اِن لوگون مین وہ مسایل پیدا ہوئے جو سابقین اسلام کے وہم وگمان مین بھی نہین گزرے تھے۔ سلف کے مذاق کے خلاف خرقہ پہنا گیا۔ سماع اور حال وقال کی صحبتین گرم ہوئین۔ اور نفس کُشی کے نئے نئے اسلوب جاری ہوئے۔ اِس کے بعد ابو نعیم اصفہانی نے اصول تصوف مین کتاب حُلیہ لکھی اور ابو بکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان غنی۔ علی مرتضیٰ۔ اور دیگر کبار صحابہ کو۔ اور بعد والون مین سے قاضی شریح۔ حسن بصری۔ سفیان ثوری۔ امام احمد بن حنبل وغیرہ کو بھی صوفیون کے گروہ مین شامل کر لیا۔ پھر علامۂ عبد الکریم بن ہوازن قشیری نے رسالۂ قشیریہ لکھا جس مین فنا۔ لقا۔ قبض۔ بسط۔ وقت۔ حال۔ وجد۔ وجود۔ جمع۔ تفرقہ۔ صحو۔ سکر۔ ذوق۔ شوق۔ محو۔ اثبات۔ تجلی۔ محاضرہ۔ مکاشفہ۔ لوائح۔ طوالع۔ لوامع۔ تلوین۔ تمکین۔ شریعۃ وحقیقۃ وغیرہ پر بحثین لکھین عہ

عہ تلبیس ابلیس۔

اور یہ ایسی بحثین اور اصطلاحین تھین جو اُس زمانے کے محدثین و فقہا اور تمام علماے اسلام کو بالکل نئی اور انوکھی نظر آئین۔

جب علما نے مخالفت کی تو امرا اور سلطنت کو بھی صوفیہ کا گروہ ایک مبتدع فرقہ نظر آیا۔ ادھران بزرگ مشائخ کی زبان سے بھی وجد و استغراق اور جوش و خروش کے عالم مین اکثر ایسے کلمات نکل جاتے تھے جن سے علماے زمانہ اور حکام وقت کو اور زیادہ مخالفت ہوتی۔ ذوالنون مصری نے مقامات ولایت پر تقریر کی تھی۔ لوگون نے زندیق و لامذہب ہونے کا الزام دیا۔ اور وہ بیچارے پابزنجیر مصر سے بغداد لائے گئے۔ مگر جب خلیفہ نے اُن کی گفتگو سُنی اور اُن کی سچی دینداری کا اندازہ کیا تو متحیر ہو کے بولا "اگر یہ زندیق ہین تو پھر روے زمین پر کوئی مسلمان نہین"

سمنون محب پر ایک عورت فریفتہ تھی۔ مگر وہ اُس سے بھاگتے تھے۔ عورت کا کسی طرح زور نہ چلا تو جل کے مشہور کر دیا کہ سمنون اور فلان فلان صوفی میرے یہان آیا کرتے ہین۔ اس خبر پر سارے شہر مین ہنگامہ مچ گیا۔ اور خلیفہ نے بلا تامل فرمان جاری کر دیا کہ سمنون اور اُن کے تمام رفقا گرفتار کر کے قتل کیے جائین جان کے اندیشہ سے اُن مقدس اشتہاری مجرمون مین سے بعض بھاگ کھڑے ہوے اور بعض گھرون مین روپوش ہو گئے[1]

ابو سلیمان دارانی کی نسبت مشہور ہوا کہ وہ فرشتون سے ملنے اور باتین کرنے کے مدعی ہین۔ اور اسی الزام پر دمشق سے نکالے گئے۔ احمد بن ابی الحواری نے دعوی کیا کہ اولیاء اللہ کا مرتبہ انبیا سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ یہ سُنتے ہی

[1] طبقات کبیر للشعرانی

لوگون مین ایسا اشتعال پیدا ہوا کہ دمشق سے بھاگ کے مکہ مین پناہ لی۔[۱]

ایسا ہی واقعہ ابو یزید بسطامی کو پیش آیا۔ رئیس بسطام حسین بن عیسی کے پاس لوگون نے آکے کہا ابو یزید کہتے ہین رسول اللہ صلعم کی طرح مجھے بھی معراج ہوئی اس پر برہم ہو کے حسین مذکور نے اُنھین بسطام سے خارج البلد کر دیا۔ بیچارے جا کے مکۂ معظمہ مین اقامت گزین ہوئے۔ پھر چند روز جرجان مین آکے رہے اور جب حسین بن عیسی مر لیا تو اپنے وطن بسطام مین واپس آئے۔[۲]

ابو سعید خراز نے اپنی کسی تصنیف مین لکھ دیا تھا "اگر تم پوچھو کہ کہان سے آتے ہو اور کہان جاتے ہو تو میرا جواب یہی ہو گا کہ خدا کے پاس سے اور خدا کے پاس" علما نے اس پر تکفیر کا فتوی دے دیا۔

سہیل بن عبد اللہ کو لوگون نے کفر و بدکاری کی تہمت لگائی۔ اور دُنیا اُن بیچارے پر یہان تک تنگ ہوئی کہ خارج البلد کر کے بصرے مین بھیجے گئے۔ اور وہین غریب الوطنی مین انتقال کیا۔ اُن سے مخالفت کی بنیاد صرف اس قدر تھی کہ کہا کرتے تھے "توبہ ہر سانس کے ساتھ بندے پر فرض ہے"

سید الطائفہ جنید بغدادی کو بھی بے دینی کی تہمت لگائی گئی۔ اور اُنھون نے فقہ کے دامن مین چھپ کے اپنے آپ کو بجائے صوفی کے فقیہ بتا کے جان بچائی۔ اس واقعہ کا حال آیندہ تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

محمد بن فضیل بلخی کو بھی صرف اس بنیاد پر کہ وہ مذہب اہل حدیث کے

---

[۱] تلبیس ابلیس۔ [۲] طبقات کبری۔

[۳] تلبیس ابلیس۔

پابند تھے جلاوطنی کی سزا دی گئی۔ اور کہا گیا ہمارے شہر بلخ سے چلے جاؤ۔ انھون نے کہا مین یون خود سے تو نہ نکلون گا۔ مگر ہان جب تم میرے گلے مین رسی ڈال کے بازارون مین پھراؤگے اور علانیہ کہوگے کہ یہ مبتدع ہے تب جاؤن گا۔ آخر ان کے ساتھ یہی برتاؤ کیا گیا۔ اور شہر چھوڑتے وقت اون کی زبان سے نکلا "خدا تمھارے لوگون سے اپنی معرفت سلب کر دے" اور ان کی یہ دعا ایسی مقبول ہوئی کہ شہر بلخ جو اس وقت سے پہلے صوفیون کا مرکز تھا پھر اس کی خاک سے کوئی اہل دل نہین پیدا ہوا

شیخ ابو عبداللہ ابن ابی حمزہ کی زبان سے نکل گیا تھا کہ "مین بیداری مین رسول اللہ صلعم سے ملتا ہون" اس پر ایک کمیٹی بیٹھی۔ اور ان پر بے دینی کا الزام لگایا گیا۔ آخر انھون نے برخاستہ خاطر ہو کے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا۔ اور پھر سوا جمعہ کے کبھی کسی کو ان کی صورت نہ دکھائی دیتی۔عہ

جنید کے استاد حارث محاسبی نے علم کلام اور صفات باری پر گفتگو کی تھی جس پر امام احمد بن حنبل نے ان سے ملنا چھوڑ دیا۔ بیچارے عوام کے خوف سے روپوش ہوگئے۔ اور روپوشی ہی مین سنہ ۲۴۳ھ مین انتقال کیا۔ اور امام احمد کی مخالفت کے باعث عام مسلمان ان سے اس قدر ناراض تھے کہ ان کے جنازے کی نماز پر چار آدمیون کے سوا پانچوان نہ تھا۔سہ نیز جنید بغدادی باوجود اپنے علم و فضل کے بارہا پکڑے گئے۔ اور کئی مرتبہ ان کو کفر و زندقہ کا الزام دیا گیا۔للعہ

ان مخالفتون اور عداوتون کا یہ نتیجہ تھا کہ اکثر صوفیہ عوام سے چھپ کے

عہ طبقات کبریٰ للشعرانی۔ | عسہ تلبیس ابلیس۔

سہ ابن اثیر۔ جلد ۷۔ ۲۶۔ | للعہ تلبیس ابلیس۔

[illegible] ہم مذاقون اور اہل معرفت ہی کے سامنے اپنے خیالات ظاہر کیا کرتے
جنید بغدادی کا فقرہ کہ دامن [illegible] چھپا کو مذکور ہی ہو چکا ہے مگر اُن کی پردہ پوشی
اس سے بھی بڑھی ہوئی تھی معمول تھا کہ جب توحید پر گفتگو کرتے تو گھر کے اندر
[illegible] مین دروازہ مقفل کرا کے کُنجیان زانو کے نیچے رکھ لیتے تو گفتگو کرتے۔ اور
مُریدون سے کہتے کیا تمھین پسند ہے کہ لوگ اولیاء اللہ اور خاصان خدا کی تکذیب
کرین؟ اور اُنھین کفر و زندقہ کا الزام دین عہ۔"

لیکن جہان یہ [illegible] تھین وہان ان بزرگون کے بڑے
قدر دان بھی تھے۔ ان کے زہد و تقوی۔ ان کی عبادت و ریاضت۔ اور ان کی
نیک نفسی و پاک باطنی کا ایسا گہرا اثر تھا کہ جو ایک دفعہ مل لیتا ہمیشہ کے لیے
غلام ہو جاتا۔ اور ان کے معتقدون اور مُریدون کی تعداد روز بروز بڑھتی
رہتی۔ وہی علما جو اپنی صحبتون مین اُنھین الزام دیتے تھے کبھی ان سے مل جاتے
تو ان کی زبان سے دو چار باتین سنتے ہی حلقہ بگوش ہو جاتے۔

ایک دن امام شافعی کے پاس امام احمد بن حنبل بیٹھے ہوئے تھے کہ
شیبان راعی آ گئے جو ایک جاہل مگر پاک باطن صوفی تھے۔ امام احمد نے کہا
"میں چاہتا ہون کہ شیبان کو اُن کی کم علمی پر متنبہ کرون شاید اپنی حالت
[illegible] متوجہ ہو جائے" امام شافعی نے روکا مگر احمد
بن حنبل نے نہ مانا۔ اور شیبان سے پوچھا کہ جو شخص پانچ نمازون میں سے
[illegible] نماز بھول گیا ہو اسے نماز کا قضا ہونا تو یاد ہے مگر یہ نہیں یاد کہ

عہ [illegible]

کس وقت کی نماز تھی۔ ایسے شخص کی نسبت تم کیا حکم دیتے ہو؟" شبان نے کہا "یہ ایک دل ہے جو اللہ تعالےٰ سے غافل ہوگیا۔ لہٰذا واجب ہے کہ اسے سزا دیجائے تاکہ پھر اپنے مالک کو نہ بھولے"۔ یہ جواب سنتے ہی امام محمد پر وجد کا سا عالم طاری ہوگیا۔

ابو العباس سُریج جو مشہور فقیہ تھے جنید کی مجلس وعظ مین آئے۔ ایک وعظ مین کسی نے پوچھا اس وعظ کی نسبت آپ کیا فرماتے ہین؟ جواب دیا "مین یہ تو نہین جانتا کہ یہ کیا کہہ رہے ہین۔ مگر اتنا جانتا ہون کہ اس کلام مین ایک ایسی شوکت ہے جو جھوٹ بولنے والے کے کلام مین نہین ہو سکتی"۔ اس کے بعد وہ حضرت جنید کی صحبت کے کچھ ایسے گرویدہ ہوگئے کہ اکثر شریک وعظ ہوا کرتے۔ اور اُن کے بعد ایک دن وعظ کہہ رہے تھے۔ اصول و فروع دین پر ایسی اچھی گفتگو کی کہ سامعین محو حیرت ہوگئے۔ لوگون کو متحیر دیکھ کے خود ہی پوچھا "تم جانتے بھی ہو کہ یہ نکات مجھے کہان سے حاصل ہوئے؟" اور آپ ہی جواب دیا کہ "یہ صرف ابو القاسم جنید کی صحبت مین شریک ہونے کا فیض ہے"۔ عہ

اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ صوفیۂ متقدمین بعض اوقات جوش مین آکے بے شک ایسے کلمات زبان سے نکال بیٹھتے تھے جو بظاہر خلاف شرع ہوتے۔ وحدانیت کے جوش مین وہ اپنی خودی کو بھول جاتے۔ اور کہہ گزرتے کہ ہمین خود اپنی تنزیہ و تقدیس کرنی چاہیے۔ یا ایسی ایسی

عہ رسالۂ قشیریہ ۳۳۶ عہ مرآۃ الجنان یافعی۔

نئی روحانی اصطلاحین زبان پر لاتے جن سے فقہا و محدثین اور تمام علمائے سلف کے کان نا آشنا تھے۔ لیکن اُس وقت تک وحدت وجود کا مسئلہ نہین پیدا ہوا تھا۔ اگلے دور کے بزرگان طائفہ صرف عابد و زاہد تھے۔ جن مین پرانے مذاق کے اسلامی زہد و تقویٰ سے گزر کے کسی حد تک رہبانیت کی شان پیدا ہو گئی تھی۔ اور ہان یہ بھی تھا کہ یہ بزرگ سماع کو جائز سمجھتے تھے۔ مگر سماع کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ ہی اُن دنون مختلف فیہ تھا۔ بعض جلیل القدر ائمۂ حدیث بھی اِس کے خلاف نہ تھے۔ اور یہی سبب تھا کہ اِن لوگون سے توحید و صفات باری کے مسائل پر تو بارہا بازپرس ہوئی مگر سلطنت اور علما نے سماع کی صحبتون کے متعلق کبھی اِن سے جواب نہین طلب کیا۔

یہ تھا اسلام کا وہ ابتدائی تصوف جو دوسری تیسری صدی ہجری مین تھا۔ جس نے بڑے بڑے زاہد و مرتاض پیدا کیے۔ اور یہ تھا وہ مقدس اور پاک باطن گروہ جس کی مقتدائی اور سرداری کا تاج حضرت جنید بغدادی کے سر پہ رکھ کے اُنھین سید الطائفہ کا محترم خطاب اہل تصوف کے روحانی دربار نے عطا کیا۔

ولادت۔ بچپن۔ اور تعلیم و تربیت

حضرت جنید ایک ایسے خاندان مین پیدا ہوئے جس کو بظاہر نہ علم و فضل سے کوئی تعلق تھا اور نہ اُسے زہد و تقویٰ ہی کی حیثیت سے

کوئی شہرت حاصل تھی۔ پدر بزرگوار جن کا نام محمد بن جنید تھا علاقہ جبل کے ایک غیر معروف شخص تھے۔ ہان ننہالی تعلق آپ کو ایک بڑے محترم اور واجب التعظیم خاندان سے تھا جس کے رکن رکین حضرت سری سقطیؒ ان دنون حقیقت و عرفان کے آفتاب بنے ہوئے تھے۔ سری سقطی جنید کے ماموں تھے۔[عہ] جنھون نے بچپن ہی سے ہونہار بھانجے کو اپنے مذاق کی تعلیم دینی شروع کی۔ لہذا اس مین کوئی شک نہین کہ عبادت و ریاضت۔ زہد و تقویٰ اور حقیقت و معرفت کے کمالات آپ کو آبائی ورثے مین نہین بلکہ ننہال سے ملے۔

آپ کے زمانۂ ولادت کا پتہ لگانا نہایت دشوار ہے۔ آپ کے حالات لکھنے والون نے آپ کا زہد و تقویٰ دکھانے اور آپ کے کشف و کرامات کی ثبوت دینے کی کوشش مین تو ہر قسم کے رطب و یابس واقعات نقل کر دیے ہین۔ مگر یہ کسی نے نہ بتایا کہ آپ کس سال پیدا ہوئے اور کتنی عمر پائی ہم آپ کے حالات پر غور کر کے صرف اتنا کہہ سکتے ہین کہ بظن غالب آپ کی ولادت ۲۱۵ھ و ۲۲۰ھ کے درمیان ہین ہوئی کیونکہ یہ معتبر ذریعون سے ثابت ہے کہ بیس برس کی عمر مین آپ علامہ ابو ثور ابراہیم بن خالد بغدادی کلبی کے حلقے مین بیٹھ کے فتویٰ دیا کرتے تھے۔[عہ] اور ابو ثور کی وفات ۲۴۰ھ مین ہوئی۔ لہذا ضرور ہے کہ آپ کی ولادت ۲۲۰ھ سے چند سال پیشتر ہی ہوئی ہو۔

ان واقعات کے ترتیب دینے سے ثابت ہوجاتا ہے کہ آپ خلیفہ مامون رشید

عہ وفیات الاعیان لابن خلکان۔ عہ رسالہ قشیریہ ۲۴۔

عہ ابن اثیر جلد ۷۔ ۲۴۔

کے آخر عہد مین پیدا ہوئے جس نے ۲۱۸ھ مین دُنیا کو خصت کیا تھا۔ مامون کا زمانہ بہ لحاظ شوکت وحشمت اور نیز باعتبار علمی ترقیون کے اسلام کے شباب کا زمانہ تھا اور مسلمانون مین دینی ودُنیوی فنون کے باکمال جیسے اُس عہد مین موجود تھے پھر کبھی کم نظر آئے۔ لہذا کہا جا سکتا ہے کہ حضرت جنید جن کی حقیقت شناسی و پاک باطنی نے اسلام کے علم روحانی کو آسمانِ کمال پر پہونچا دیا۔ وہ بھی عہد مامون ہی کی ایک ہمیشہ زندہ رہنے والی یادگار تھے۔

آپ کے خاندان اور آبا واجداد کا منشا و موطن قدیم شہر نہاوند تھا جو آل ساسان کی تاریخ مین ایک بڑا باوقعت اور معروف ومشہور شہر گزرا ہے۔ دولت ایران اور ممالک عثمانیہ کے درمیان مین جو متنازعہ فیہ کوہستان چلا گیا ہے اُن دنون علاقہ جبل کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس کوہستانی علاقے کا صدر مقام دولت عباسیہ کے آخری زمانے تک یہی شہر نہاوند تھا۔ مگر حضرت جنید کی ولادت سے پہلے ہی آپ کے پدر بزرگوار وطن سے ہجرت کر کے عراق مین چلے آئے تھے اور آپ کی ولادت سے بجائے نہاوند یا علاقہ جبل کے سرزمین عراق کو شرف حاصل ہوا[1]۔ جو سرزمین کہ اُن دنون کچھ ایسی زبردست کشش رکھتی تھی کہ ہر قسم کے کمالات اور ہر مذاق کے باکمالون کو اپنی طرف کھینچ لیا کرتی تھی۔

آپ کے پدر بزرگوار محمد بن جنید کا ذریعۂ معیشت یہ تھا کہ آئینون اور شیشہ آلات کی تجارت کرتے تھے[2]۔ ممکن ہے کہ محمد بن جنید نے محض اپنی تجارت کے فروغ دینے اور اپنا کاروبار تجارت چلانے کے لیے سنسان پہاڑون کو

---

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان۔ [2] طبقات الکبری للشعرانی۔

چھوڑ کے عراق کی سکونت اختیار کی ہو جس کا مستقر شہر بغداد ساری مشرقی دنیا کا دارالسلطنت اور دولت اسلام کا مرکز بنا ہوا تھا لیکن تاریخ ہمیں اس خاندان کے جلاوطن ہونے کے اور قوی اسباب بھی بتاتی ہے۔

مامون رشید نے سنہ ۲۱۲ھ میں علی بن ہشام نام ایک معزز شخص کو اسی علاقہ جبل اور اس کے ساتھ قم۔ اصفہان اور آذربائجان وغیرہ کا والی مقرر کر کے بھیجا تھا۔ اس نے علاقے پر جاتے ہی رعایا پر ظلم و جور شروع کر دیا۔ بہتوں کا مال و اسباب لوٹ لیا اور جائدادیں چھین لیں۔ بہتوں کو جان سے مارا۔ یہاں تک کہ سارے علاقے میں ہائے ہائے پڑ گئی۔ اس کی خبر مامون کے کان تک پہونچی تو فوراً عجیف بن عنبسہ نام ایک بہادر شخص کو بھیجا کہ تا غدا تر س علی بن ہشام کو گرفتار کر لائے۔ علی نے بغاوت کرنے اور بابک نام ایک سرکش باغی سے مل جانے کا ارادہ کیا۔ مگر عجیف بلائے ناگہانی کی طرح جا پہونچا اور سنہ ۲۱۷ھ میں لا کے اسے دربار خلافت میں پابزنجیر کھڑا کر دیا۔ مامون اس قدر برہم ہو رہا تھا کہ فوراً علی بن ہشام اور [illegible] مذکور کا سر عراق۔ خراسان۔ شام اور مصر میں تشہیر کرنے کے بعد سمندر میں پھینک دیا جائے۔

لہذا یہ یقینی بات ہے کہ سنہ ۲۱۲ھ سے سنہ ۲۱۷ھ تک علی بن ہشام کے ہاتھوں علاقہ جبل کی رعایا پر جو مظالم ہوئے ان کی جان اور بہت سے لوگ تاب نہ لا سکے ہوں گے وہاں محمد بن جنید بھی تاب نہ لا سکے۔ وطن کو خیرباد کہی اور اہل و عیال کو لے کے عراق میں آ بسے۔ جہاں دارالخلافت کے قریب ہونے کے باعث

ع ابن اثیر جلد ۶۔ ۱۴۲۔

پادشاہ کی دستبرد کا بہت کم اندیشہ تھا۔

یہاں اُن کی شیشہ آلات کی دُکان تھی جس پر حضرت جنید بغدادی بچپن ہی میں جا کے بیٹھا کرتے تھے۔ اور یہی سبب تھا کہ ہوش سنبھالتے ہی آپ کی زندگی بجائے کسی اور مشغلہ کے دُکانداری سے شروع ہوئی لیکن ننہالی تعلقات کے باعث جنید کو پدر بزرگوار کے مقابل اپنے ولی کامل ماموں حضرت سری سقطی سے زیادہ اُنس تھا۔ اور وہ بھی آپ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

بچپن ہی سے جنید کو اُنھوں نے اپنے مذاق اور رنگ پر لگانا شروع کر دیا تھا۔ اکثر باتوں باتوں میں معانی اور اخلاقی مسائل ذہن نشین کر دیا کرتے جو سن صبیٰ کی نرم اور سادی لوح دل پر اس طرح نقش ہو جاتے کہ پھر کبھی نہ مٹ سکتے۔ جنید کی سات ہی برس کی عمر تھی کہ سری سقطی نے سفر حج کیا۔ اور جنید کو بھی باوجودیکہ ابھی بالکل بچے تھے اپنے ہمراہ لے گئے۔ یہ کسی دُنیادار امیر اور تاجر کا سفر نہ تھا بلکہ ایک ولی کامل اور پاک باطن و روشن ضمیر شیخ کا سفر تھا جس کے ساتھ صدہا تارک الدُنیا فقیر اور مرتاض اہل باطن ہمراہ رکاب تھے جن کا متبرک گروہ ہر منزل میں مُراقبہ اور مکاشفہ کی صحبتیں گرم کرتا۔ اور باتیں بھی ہوتیں تو اسی اعلے درجے کے مسائل تصوف کی جن کو جنید بادب بیٹھ کے سُنتے اور دل ہی دل میں ولایت و خدارسی کے لیے تیار ہوتے۔

اسی سفر کے حالات میں خود جنید کہتے کہ مکہ معظمہ پہونچ لینے کے بعد ایک دن سری سقطی بیٹھے ہوئے تھے چار سو اہل باطن کا اُن کے گرد حلقہ تھا[۱] اور میں

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء۔

اُن کے سامنے قریب ہی کھیل رہا تھا۔ باتون باتون مین مسئلۂ "شکر" کا تذکرہ چھڑا۔ مختلف لوگ اپنے اپنے خیالات ظاہر کر چکے تو سری سقطی نے میری طرف نظر بڑھا کے فرمایا "بیٹیا۔ بھلا تم تو بتاؤ شکر کیا چیز ہے؟" مین نے عرض کیا "یہ کہ اللہ کی نعمتون کو پا کے اُس کی نافرمانی نہ کی جاسے"۔ ایک سات برس کے بچے کی زبان سے یہ جواب سُن کے سب لوگ عش عش کر گئے۔ مگر سری سقطی نے صرف اتنا کہا "یقین ہے کہ تمھین خداوند تعالے سے جو فیض پہونچے گا وہ تمھاری زبان کے ساتھ مخصوص ہوگا"۔ سری سقطی کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور ساری دُنیا جنید کی صوفیانہ معجز بیانی کی معتقد تھی۔ لیکن خود جنید اپنے ماموں اور مرشد سری سقطی کے اس فقرے کو یاد کر کے اکثر رویا کرتے تھے۔ اسلیے کہ اُنھون نے دل کے عوض زبان کے مورد فیض ربانی ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تھی[عه]

بعض وقت آپ کی بچپن کی زبان سے ایسی حکمت باطنی اور راز داری حقیقت کی باتین سُن کے خود سری سقطی کو بھی استعجاب ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک اور مرتبہ اُنھون نے بھی شکر کا مسئلہ اُن سے پوچھا اور اِن کی زبان سے یہ فقرہ سُن کے کہ خدا کی نعمتون سے اِس طرح نفع اُٹھانا کہ کسی معصیت کے کام مین اُن سے مدد نہ لی جاسے" پوچھا "تمھین یہ باتین کہان سے معلوم ہوئین؟" اُنھون نے بے ساختہ عرض کر دیا کہ "جناب کی صحبت[عه] سے"۔

ان باتون نے جنید کو حضرت سقطی کے دل مین اس قدر عزیز بنا دیا تھا

عــه مراۃ الجنان للیافعی۔

عــه رسالہ قشیریہ - ۱۰۶

کہ وہ چاہے کسی اور کا کہنا نہ مانیں مگر ان کا کہنا ضرور مان لیا کرتے تھے۔ اب ان کی
تعلیم کا زمانہ تھا۔ اور روز مکتب جایا کرتے تھے کہ ایک دن مکتب سے گھر آئے
اور اپنے والد کو آبدیدہ پایا۔ اس کا سبب پوچھا تو اُنھوں نے کہا "میں نے اپنے
مال کی زکوٰۃ نکالی تھی اور خیال کیا کہ اس کا نہ کوئی تمھارے ماموں سری سقطی سے
زیادہ مستحق ہے۔ اور نہ اِس کی مقبولیت کی اس سے بہتر کوئی صورت ہو سکتی ہے کہ
وہ اسے قبول کریں۔ مگر میں اُن کے پاس لے کے گیا تو اُنھوں نے لینے سے قطعاً
انکار کر دیا۔ اُن کے انکار سے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم زکوٰۃ جسے میں نے
خلوص نیت سے نکالا ہے پاک باطن اور محتاط بزرگوں کے قابل نہیں۔" پدر بزرگوار
کو ملول و مغموم دیکھ کے نہ رہا گیا۔ کہا "لائیے میں ماموں جان کو دے آؤں۔ اور اُمید
ہے کہ وہ قبول کر لیں گے۔" اُنھوں نے وہ رقم اِن کے حوالے کی۔ اور یہ لے کے
سری سقطی کے دروازے پر پہونچے۔ اور دستک دی۔ اُنھوں نے پوچھا "کون ہے"
کہا "جنید" پوچھا "کیوں؟" عرض کیا "یہ زکوٰۃ کی رقم قبول فرمائیے۔" جواب دیا
"اسے تو میں نہ لونگا۔" اُنھوں نے بہ ادب عرض کیا "آپ کو قسم ہے اُس خدا
عزوجل کی جس نے آپ پر اپنا فضل اور میرے والد کے ساتھ عدل کیا ہے
اِسے قبول فرمائیے۔" اِنھوں نے پوچھا "یہ فضل اور عدل کیونکر؟" جواب دیا
"آپ کے ساتھ خدا نے فضل یہ کیا کہ درویشی عطا کی۔ اور میرے والد کے ساتھ
یہ عدالت کی کہ انھیں دُنیا کے دھندے سے لگایا۔ آپ کو بے شک اختیار
ہے کہ اس رقم کو چاہیں قبول کریں لیکن میرے والد پر زکوٰۃ نکالنا اور
اسے اصلی حقدار تک پہونچانا فرض ہے۔" یہ گفتگو سری سقطی کو ایسی پسند

آئی کہ وہ رقم فوراً قبول کرلی۔[1]

حضرت سری سقطی اس ابتدائی زمانے مین جس عنوان سے جنید بغدادی کو روحانی تعلیم دیا کرتے تھے نہایت ہی موثر اور دلکش تھا۔ اور اسے آج کل کے مذاق کے مطابق اگر علم باطن کا کنڈر گارٹن کہا جاسے تو نازیبا نہ ہوگا۔

ایک دن جُنید سری سقطی کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ تو انھون نے کوئی کام کر دینے کو کہا۔ یہ کام کر لائے۔ اور اس کے بعد جو سامنے ادب سے بیٹھے تو انھون نے ایک تہ کیا ہوا رقعہ دیا۔ اور کہا تم نے میرا کام پھرتی سے کر دیا ہے یہ اُس کا معاوضہ ہے۔ انھون نے کاغذ کھول کے پڑھا تو اُس مین یہ لکھا تھا کہ "ایک شتربان کو مین نے بیابان مین یہ حُدی گاتے سُنا تھا۔

ابکی وہل یدر ہاک ما یبکینی   ابکی حذار آان تفارقینی

وتقطع حبلی وتہجرینی"۔ مین روتا ہون اور جانتے بھی ہو کہ کیون روتا ہون؟ اس ڈر سے روتا ہون کہ کہین تو مجھے فراق مین نہ مبتلا کر دے۔ اور میری اُمید ین قطع کرکے مجھے چھوڑ نہ دے۔ کیا نصیحت کا کوئی اس سے اچھا عنوان بھی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہین

آپ کی سیرۃ بیان کرنے والون نے ہمین اس امر سے بالکل ناواقف رکھا ہے کہ آپ کس سن مین مکتب مین بھیجے گئے۔ آپ کی اُستادی کا شرف سب سے پہلے کسے حاصل ہوا کون کون کتابین پڑھین۔ اور کتنے زمانے مین کس قدر ترقی کی لیکن اس مین شک نہین کہ یہ سب مدارج آپ نے طے ضرور کیے۔ سری سقطی اگرچہ آپ کو ایک پاک طینت شیخ وقت بنانا چاہتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی

عہ[1] تذکرۃ الاولیا۔   عہ رسالۂ قشیریہ ۱۹۶

یہ بھی چاہتے تھے کہ سعادت مند بچا جتنا بڑا ولی کامل ہو اُتنا ہی بڑا فقیہ اور علامۂ زمان بھی ہو۔ لہذا ابتدائی مدارج تعلیم کا درجہ طے ہو جانے کے بعد غالباً اُنھین کے مشورے سے آپ نے علم فقہ کی طرف توجہ کی۔

حضرت امام ابو حنیفہ کوفی اور صاحبین رحمہم اللہ کی برکت سے اِن دنون بغداد مین فقہ کا بہت چرچا تھا۔ اور جس فقہ کی اُس زمانے مین حکومت کو قدر تھی وہ فقہ حنفیہ ہی تھی۔ اس لیے کہ وہی خلافت کا دستور العمل اور سلطنت کا قانون بنی ہوئی تھی۔ مگر آپ کو پابندی حدیث اور سُنّت نبوی پر عمل کرنے کا شوق تھا۔ لہذا بجاے اِس کے کہ کسی حنفی فقیہ کے آگے جا کے زانوے شاگردی تہ کرتے فقہ شافعیہ کی طرف توجہ کی۔ خوش نصیبی سے اُن دنون حضرت امام شافعی کے شاگرد رشید یعنی ابو ثور ابراہیم بن خالد الکلبی خاص بغداد مین موجود تھے۔ اُنھین کی خدمت مین حاضر ہو کے شاگردی کی درخواست کی۔ اور اجازت پاتے ہی حلقۂ درس مین شریک ہو گئے[۱] اس درس گاہ مین پہونچ کے آپ نے اس قدر جلد اور ایسی نمایان ترقی کی کہ ہنوز عنفوان شباب کا زمانہ اور بیس برس کی عمر تھی کہ علامہ ابو ثور کے منتہی شاگردون مین شمار کیے جانے لگے۔ اور اُن کے پاس بیٹھ کے فتوے دیا کرتے تھے[۲]

بعض مورخین کہتے ہین کہ حضرت جنید علامہ ابو ثور نہین سفیان ثوری کے باغ علم کے خوشہ چینون مین تھے۔ اور آپ کا شمار گران پایہ فقہاے سفیانیہ مین ہونا چاہیے[۳] مگر یہ بعض راویون کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ غالباً

[۱] وفیات الاعیان۔ [۲] رسالہ قشیریہ۔ [۳] مرآۃ الجنان یافعی۔

ثور کے لفظ کی تجنیس نے دھوکا دے دیا۔ ورنہ قرائن بھی اسی امر پر دال ہیں کہ آپ نے علامۂ ابو ثور کی شاگردی کی۔ اور جمہور مورخین کا اتفاق بھی اسی پر ہے

جنید اگرچہ ان دنوں ایک فقیہ اور علامۂ وقت تھے مگر باطنی تعلیم کا سلسلہ گھر میں قدرتی طور پر جاری تھا۔ کیونکہ گھر میں جتنا وقت صرف ہوتا زیادہ سری سقطی ہی کی صحبت میں بسر ہوتا۔ تاہم ابھی تک بہ ظاہر سری سقطی نے نہ باضابطہ مرید کیا تھا اور نہ باضابطہ طریقے سے رموز باطن کی تعلیم شروع کی تھی۔ وہ ابھی یہی چاہتے تھے کہ جنید علوم ظاہر میں فضل و کمال حاصل کریں۔

آخر ۲۴۰ھ میں ابو ثور نے انتقال فرمایا۔ اور اپنے صاحب دل شاگرد رشید کو ایک مستند فقیہ بنا کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اسی زمانے میں غالباً لونڈی کا دلکش نغمہ سننے کا واقعہ پیش آیا۔ جسے ہم تمہید میں بیان کر آئے ہیں اس کے ساتھ ہی ان تمام جذبات ہی جنھیں سری سقطی آہستہ آہستہ اور بے تعلقی کے ساتھ آپ کے دل میں پیدا کرتے رہے تھے یکایک ایک جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اب وقت آگیا کہ جنید بغدادی جو ایک مستند فقیہ بھی تھے علوم ظاہری کی درس گاہ کو چھوڑ کے حقیقت و معرفت کے مدرسۂ الٰہی میں داخل ہوں۔

علوم باطن کی تحصیل۔ ارادت اور معرفت

سری سقطی نے انھیں علوم باطنی کی تحصیل پر تیار اور رمز حقیقت

ع ابن اثیر

جاننے کے لیے بیتاب دیکھنے پر بھی مناسب نہ جانا کہ پہلے ہی پہل اپنے حلقۂ ذوق میں شریک کرلیں - بلکہ دیگر مشائخ زمانہ کے پاس بھیجا - اور اس کی ضرورت بھی تھی - سری سقطی کو بھانجے کے ساتھ جو خردی بزرگی کا تعلق تھا اور جیسی قرابت داری کی فطری محبت تھی وہ ممکن تھا کہ زیادہ سختی کرنے میں مزاحم ہوتی - اور مراحل عرفان طے کرنے کے لیے جیسی جیسی سختیاں برداشت کرنے اور مرشد کو مرید کا جس قدر سخت امتحان لینے کی ضرورت ہے اُن کی پوری پوری تعمیل اِن تعلقات قرابت کے ساتھ نہایت دشوار تھی -

الغرض آپ نے درس گاہ حقیقت میں قدم رکھا تو اپنے ماموں کی صحبت چھوڑ کے اور غالباً اُنھیں کے اشارے سے ابو عبد اللہ حارث بن اسد محاسبی کی خلوت گاہ فیض میں پہونچے جو اُس زمانے کے مرجع خلق باکمالوں میں تھے -

یہ بزرگ باعتبار علم و فضل اور زہد و تقوی کے یکتاے زمانہ تسلیم کیے جاتے تھے - اصلی وطن بصرہ تھا - مگر بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی[۱] - اِن کی ولادت کے وقت تک حسن بصری زندہ تھے[۲] اور اگر اُن کی رویت کا لحاظ کیا جاے تو اُن کا شمار تبع تابعین میں تھا - اتقا کی یہ حالت تھی کہ والد ستر ہزار روپیہ چھوڑ کے مر گئے تھے مگر اُنھوں نے ترکہ میں سے ایک حبہ نہ لیا اور محض اِس بنیاد پر کہ وہ اگرچہ مسلمان تھے مگر قدر کے قائل تھے - یعنے انسان کو فاعل مختار جانتے تھے صاف کہہ دیا کہ میرے والد مجوس کے ہم عقیدہ تھے - میں اُن کی جائداد نہیں قبول کر سکتا - کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ مختلف المذہب

---

[۱] رسالۂ قشیریہ - [۲] تذکرۃ الاولیا -

لوگ ایک دوسرے[1] کے وارث نہین ہو سکتے۔ اور پھر اس کے ساتھ حالت یہ تھی کہ جب انتقال ہوا ہے کوڑی کوڑی کو محتاج تھے۔ اُن کا قول تھا کہ "جب کسی کا باطنی مراقبہ خلوص نیت سے درست ہو جاتا ہے اُس کے ظاہر کو اللہ جہادِ نفس اور پیروی سُنت سے مزین کر دیا کرتا ہے"۔ یعنی سچی ولایت کی پہچان اتباعِ سنت رسول ہے لقمۂ حلال کھانے مین اُن کی احتیاط اس درجے کو پہونچی ہوئی تھی کہ ناجائز لقمہ ہاتھ مین آتا تو اُنگلیون کی ایک مخصوص رگ پھڑکنے لگتی۔ اور وہ فوراً ہاتھ روک لیتے۔[2]

ایسے پاک باطن شیخ کی خدمت مین حاضر ہو کے جنید نے تصوف اور علم باطن کو باقاعدہ طریقے سے اور اُسی کے ہو کے حاصل کرنا شروع کیا۔ یہ کہ مرشد نے کس قسم کی تعلیم دی۔ اور صفاے باطن کی کیا کیا تدبیرین بتائین مرشد و مرید کے وہ راز دنیا نہین جن تک ہماری رسائی نہین ہو سکتی۔ سری سقطی تو حقیقت جنید کے ماموں تھے مگر حارث محاسبی کو وہ چچا کہہ کے خطاب کیا کرتے تھے

چنانچہ ایک دن حارث محاسبی کو جنید نے اپنے گھر کی طرف سے گزرتے دیکھا۔ اور اُن کی ناتوانی اور چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوا کہ اس وقت بہت بھوکے ہین۔ عرض کیا "چچا۔ گھر مین تشریف لا کے کچھ نوش فرمائیے"۔ انھون نے کہا "بہتر"۔ اور اندر چلے آئے۔ اتفاقاً رات کو پڑوس کے ایک گھر مین شادی تھی اور وہان سے کھانا آیا تھا۔ وہی کھانا جنید نے سامنے لے جا کے رکھ دیا۔ انھون نے ایک لقمہ اُٹھا کے مُنہ مین دو چار دفعہ پھرایا اور گھبرا کے اُٹھ کھڑے ہوئے

[1] رسالۂ قشیریہ [2] وفیات الاعیان لابن خلکان۔

لقمہ کو ڈیوڑھی مین اُگل کے ڈال دیا۔ اور بے کچھ کہے سُنے چلے گئے۔ دو چار روز بعد جنید نے اِس کا سبب پوچھا تو فرمایا "مین اُس وقت بھوکا تھا۔ چاہا کہ کچھ کھا کے تمھارا دل خوش کر دون۔ لیکن اللہ جل شانہ نے مجھے ایک علامت بتا دی ہے کہ جس لقمہ مین کسی قسم کا شُبہہ ہو میرے گلے سے نہین اُترتا۔ اسی سبب سے وہ نوالہ میرے حلق سے نہ اُتر سکا۔" پھر پوچھا "وہ کھانا کہان سے آیا تھا؟" عرض کیا "وہ پڑوس سے آیا تھا لیکن آج تشریف لے چلئے کچھ نوش فرمائیے۔" وہ پھر چلے آئے۔ اور اُنھون نے سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا پیش کر دیا۔ جسے اُنھون نے کھایا اور فرمایا "جب فقیر کے سامنے پیش کرنا ہو تو ایسی چیز پیش کیا کرو۔"ع

حارث محاسبی صاحبِ تصنیف صوفیہ مین تھے۔ سلوک مواعظ اور اصول دین مین اُنھون نے متعدد کتابین لکھین جن مین سے خاصتہً کتاب الرعایۃ کی بہت شہرت ہوئی۔ع ایام ارادت مین حضرت جنید نے ان کتابون کا مطالعہ کیا ہوگا۔ اور یقیناً اُن کی تعلیم باطنی مین اِن کتابون نے اعلےٰ سلسلۂ درس کا کام دیا ہوگا۔

مگر افسوس جنید کو حارث محاسبی کے حلقۂ ذوق مین شریک ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ فقیہ ابو ثور شافعی کی وفات کے تین سال بعد ۲۴۳ھ مین حارث نے بھی انتقال فرمایا۔ اب وقت آگیا تھا کہ جنید اپنے مامون اور اصلی مرشد سری سقطی کی خلوت گاہ توحید مین بار پائین۔ اور اُن کے ذوق و شوق کے محرم راز بن جائین۔ آکے اُن کے مُرید ہوئے۔ اور ریاضت شروع کر دی

ع رسالہ قشیریہ ۱۶-۱۷ ع مرآۃ الجنان للیافعی - حالات ۲۴۳ھ

مگر زیادہ قابل لحاظ یہ بات ہے کہ جنید کی درویشی مین ریاکاری کو کسی قسم کا دخل نہ تھا۔ بیعت کی لیکن نہ وضع بدلی اور نہ کبھی زندگی بھر خرقہ پہنا جس کا مشائخ صوفیہ مین رواج ہوتا جاتا تھا۔ وہ حسب معمول سابق علما و فقہا کی وضع مین رہتے۔ بعض اوقات مریدین اصرار بھی کرتے تو جواب دیتے "اگر مین جانتا کہ خرقے ہی پر مرحقیقت کا کھلنا منحصر ہے تو مین لوہے اور آگ کے کپڑے بنا کے پہن لیتا۔ لیکن ایسا نہین۔ یہان ہر گھڑی باطن مین یہ ندا سُنی جاتی ہے کہ خرقہ کا اعتبار نہین۔ اعتبار ہے تو جان جلنے یعنی دل مین آتش شوق بھڑکنے کا"[عہ]

سری سقطی کا نام اس سے پیشتر بھی بارہا آچکا ہے مگر وہ بہ لحاظ قرابت اور دُنیوی تعلقات کے تھا۔ اب یہ نام بہ حیثیت ایک مرشد اور شیخ طریقت کے آیا ہے تو ہمین اُن کے مختصر حالات ضرور بیان کر دینے چاہیے۔ اُن کا پورا نام ابو الحسن سری بن مغلس سقطی ہے۔ ابتداءً تجارت کرتے تھے۔ مگر ایک دن اپنی دُکان مین بیٹھے تھے کہ شیخ وقت معروف کرخی ایک یتیم بچے کو ساتھ لیے ہوے آئے اور کہا "اسے کپڑے پہنا دو" انھون نے بے تامل اُس کو کپڑے پہنا دیے جس پر خوش ہو کے معروف نے دعا دی کہ "اللہ تمھارے دل مین دنیا کی طرف سے بغض پیدا کرے اور جس حالت مین ہو اُس سے تمھین نجات دے" بس اُسی وقت سے یہ حالت ہو گئی کہ تمام مال و اسباب سے ہاتھ اُٹھایا دُنیا چھوڑ دی اور معروف کرخی کے ہاتھ پر توبہ کر کے اُنھین کے نقش قدم پر چلنے لگے[عہ]

معروف کرخی نے اپنے دل کا چراغِ حقیقت حضرت امام موسی رضا کی

عہ تذکرۃ الاولیا۔ عہ وفیات الاعیان لابن خلکان۔

شمع معرفت سے روشن کیا تھا کیونکہ وہ اصل مین عیسائی تھے حضرت امام موسیٰ رضا کے ہاتھ پر ایمان لا کے اُن کے موالی مین شامل ہو گئے۔ اور وہ فیض حاصل کیا جو امام ممدوح کو بہ توسط اپنے آبا و کرام کے حضرت رسالت سے پہونچا تھا۔

مگر یہ صرف ایک ظاہر وضع کا بنا ہنا تھا ورنہ جنید کی اصلی درسگاہ معرفت اور رہی تھی چنانچہ ایک دفعہ لوگون نے پوچھا کہ آپ نے یہ علم و فضل کہان سے حاصل کیا؟ اس کے جواب مین اُنھون نے اپنے گھر کے ایک زینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "اس زینے کے نیچے تیس سال تک خدا کے سامنے بیٹھ کے" ابو علی جو اُن کے خاص عقیدت کیشون مین تھے کہتے ہین کہ اُن کا معمول تھا ہر روز اپنے حجرے مین جا کے پردہ ڈال لیا کرتے اور جب چار سو رکعتین پڑھ لیتے تو باہر نکلتے۔

اس زمانے مین معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دُکان شیشہ آلات کی نہین بلکہ ریشمی کپڑون کی تھی۔ اور گو کسب معیشت کے لیے دُکانداری کرتے مگر اسی دُکان کو آپ نے اپنی خانقاہ بنا لیا تھا۔ اب یہ دُکان بھی چھوڑ دی۔ اور سری سقطی کے مکان کی ڈیوڑھی مین ایک کوٹھری تھی اُس مین عزلت گزین ہو کے اپنے اوراد و وظائف بجا لانے لگے۔ چالیس برس تک یہان بیٹھے رہے۔ جن مین سے تیس سال تک نماز

عہ مصنف رسالۂ قشیریہ۔ اور اُن کے بعد تمام متاخرین یہی سلسلۂ فیض بتاتے ہین اور اس کی تصدیق آج کل کے شجرے بھی کرتے ہین۔ مگر ابن الندیم جو قرون سابقہ کا اور اُسی عہد کا مستند مورخ ہے لکھتا ہے کہ معروف کرخی کو فرقد سنجی سے اُنھین حسن بصری سے اور اُنھین انس بن مالک اور ستر بدری صحابیون سے فیض پہونچا تھا۔ اور تاریخ کی حیثیت سے ہم ابن الندیم کو زیادہ معتبر جانتے ہین۔ عہ رسالۂ قشیریہ۔

عشا کے بعد سے صبح تک کھڑے اللہ اللہ کیا کرتے۔ اور اُسی عشا کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔ خود اُن کا بیان تھا کہ اِس گوشہ گیری کو جب چالیس سال ہو گئے تو میرے دل مین گمان پیدا ہوا کہ مین اپنی کوشش مین کامیاب ہو گیا۔ کہ یکایک ہاتف غیب کو یہ کہتے سُنا "جنید اب وقت آیا ہے کہ تیرے زنار کا گوشہ تجھے دکھایا جائے" سُن کے مین نے کہا "میری خطا کیا ہے؟" جواب ملا "کیا اس سے بڑا بھی کوئی گناہ ہو سکتا ہے کہ تو موجود ہے؟" یہ سُنتے ہی مین ایک آہ کھینچ کے سر بگریبان ہو گیا۔ اور زبان سے نکلا "من لم یکن للوصال اہلاً فکل حسناتہ ذنوب"۔ علاوہ اِن عبادتون کے روزے اِس کثرت سے رکھا کرتے تھے کہ اگر اُنھین صائم الدہر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کیونکہ معمولاً ہمیشہ اور ہر روز صائم ہی نظر آتے۔ سوا اُس دن کے جب کہ بعض ہم مذاق احباب اُن کے گھر مین آتے اور مہمان ہوتے ایسے دنون مین روزہ چھوڑ دیتے۔ اور کہتے "برادران اسلام کی ہم آہنگی و ہم مذاقی نفل روزے سے افضل ہے" عـــہ

مگر اِن باطنی ترقیون اور فقرا کی صحبتون کے ساتھ علم وفضل کی یہ شان ہمیشہ نظر آتی کہ اپنے نزدیک کوئی امر خلاف شرع نہ کرتے۔ ایک طرف تو جوش روحانیت سے کہتے "ہم نے تصوف کو قیل وقال سے نہین بلکہ بھوکے رہنے دُنیا کو ترک کرنے۔ اور مانوس و پسندیدہ اشیا کے چھوڑ دینے سے حاصل کیا ہے" عـــہ دوسری طرف جوش وخروش سے فرماتے "خلقت پر (باطنی ترقی کے) تمام راستے بند ہین۔ سوا رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے راستے کے۔

عـــہ تذکرۃ الاولیا۔ عـــہ رسالۂ قشیریہ۔

نجات اِسی راستے پر چلنے والے کے لیے ہے" اکثر یہ بھی کہا کرتے کہ "ہمارا یہ مذہب اصول کتاب و سنت کا مقید ہے" یعنی کوئی صاحب باطن اِن دونوں چیزوں کی حد سے باہر نہین جا سکتا۔ اِس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اُنھوں نے ایک دفعہ فرمایا کہ جو حافظ قرآن نہین اور جس نے حدیثین نہین قلمبند کین اُس کی من حیث الدین ہرگز پیروی نہ کی جائے۔ؔ

لیکن اِن تمام عبادتون اور ریاضتون سے بڑھا ہوا اُن کا مراقبہ تھا۔ اپنی خلوت گاہ مین سب سے الگ ہو کے بیٹھتے تو ذوق تجرد کا یہان تک جوش و خروش ہوتا کہ اپنے نیچے سے مصلے تک کھینچ کے پھینک دیتے۔ؔ اور ذات ربانی مین محویت یہان تک بڑھتی کہ وہی ایک ذات ہوتی اور سارے مافی الکون کے ساتھ خود بھی فنا کے دامن مین چھپ کے غائب ہو جاتے۔

اِس حالت کی نسبت خود ہی فرماتے ہین "اخلاص اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے نہ اِس کی فرشتۂ کاتب اعمال کو خبر ہوتی ہے کہ لکھے۔ نہ شیطان کو معلوم ہونے پاتا ہے کہ اُسے مغشوش کرے۔ اور نہ ہوائے نفس کی وہان تک رسائی ہو سکتی ہے کہ انسان کو دوسری طرف مائل کرے۔" اِس سے بھی زیادہ توضیح کے ساتھ اپنے روحانی تغیرات و حالات کو بیان فرماتے ہین: "اللہ جل شانہ کا خوف مجھ مین قبض (انقباض طبیعت) پیدا کرتا ہے۔ اُمید و رجا مجھ مین بسط (انبساط) پیدا کرتی ہے حقیقت مجھے جمع کرتی ہے۔ اور حق جدا کر دیتا ہے۔ خوف سے جب قبض کی حالت طاری ہوتی ہے تو وہ رب العزت مجھے فنا کر دیتا ہے۔ اِس کے بعد جب رجا کی حالت پیدا ہوتی ہے

ؔ تلبیس ابلیس۔ ؔ تذکرۃ الاولیا۔

تو وہ مجھے پھر اپنی اصلی حالت پر لے آتا ہے۔ حقیقت کے ذریعے سے جب وہ جمع کے عالم
مین پہونچاتا ہے تو اپنی حضوری مین لے جاتا ہے۔ مگر اس کے بعد جب حق کے ذریعے
سے مجھے جُدا کرتا ہے تو غیر بنا کے موجود کر دیتا ہے۔ اور اس کے میرے درمیان مین پردہ
پڑ جاتا ہے۔ غرض وہ جل شانہ ان تمام حالتون مین بجاے روکنے کے مجھے حرکت
دینے والا۔ اور بجاے اُنس دینے کی وحشت دلانے والا ہے۔ مین اپنے حضور سے
اپنی ہستی مین مبتلا رہتا ہون اور کاش اپنی ذات مین مجھے فنا کر دیتا تو مین لُطف اُٹھاتا۔
یا مجھے میری ذات سے غائب کر دیتا تو مجھے آرام ملتا۔

ان باطنی حالات اور وجدانی کیفیات کو بہتون نے بیان کیا مگر جس لُطف
اور وضاحت سے حضرت جنید نے بتادیا ہے شاید کوئی اور شیخ طریقت نہ بتا سکا ہوگا۔
اور اصل یہ ہے کہ جس طرح علوم دینیہ اور فنون شرعیہ مین تبحر حاصل کر کے آپ نے رموز
باطن کو پردہ اُٹھا کے دیکھا اور کوئی نہ دیکھ سکا ہوگا۔ اور یہ ساری برکت حضرت سری
سقطی کی تعلیم کی تھی۔ بہ ظاہر اب بھی اُن کی تعلیم ویسی ہی سادی تھی جیسی کہ ہم پہلے دکھا
چکے ہین۔ مثلاً ایک دن ایک رقعہ دے دیا اور فرمایا یہ تمھارے لئے سات سو قصون
سے زیادہ بہتر ہے۔ کھول کے پڑھا تو یہ تین شعر لکھے ہوے تھے۔

ولما ادعیت الحب قالت کذبتنی   فمالی اری الاعضاء منک کواسیا

جب مین نے دعواے محبت کیا تو وہ بولی تم جھوٹے ہو۔ دل مین محبت ہے
تو مجھے تمھارے ہاتھ پاؤن موٹے تازے کیون نظر آتے ہین؟

فما الحب حتی یلصق الظہر بالحشا   وتذبل حتی لا تجیب المنادیا

ع‍ ه رسالۂ قشیریہ۔ ۲۳۔

محبت نہین ہوتی جب تک یہ حالت نہ ہو جائے کہ پیٹ پیٹھ سے لگ جاے اور
اتنے دُبلے ہو جاؤ کہ کوئی پکارے تو جواب نہ دے سکو۔

دتحل حتے لایبقی لک الھوی   سوی مقلۃ تبکی بہا وتناجیا

اور اس قدر گھل جاؤ کہ سوا گوشۂ چشم کے جس سے روؤ اور عاجزی کرو تم مین
عشق کچھ باقی ہی نہ رکھے۔

یہ روحانی سبق اگرچہ نہایت آسانی سے کے ساتھ دیا گیا مگر اس کی تعمیل کس قدر دشوار
تھی؟ اور جس کسی نے اس پر عمل کر لیا ہوگا ظاہر ہے کہ کتنے اعلیٰ کمال باطن کو پہونچ
گیا ہوگا۔ حضرت جنید کو اسی قسم کے سبقون نے اس مرتبۂ عالی پر پہونچا دیا تھا کہ اپنی
اگلی پچھلی حالتون کا فرق خود ہی ان الفاظ مین ارشاد فرماتے ہین "مین سری سقطی
کو اکثر یہ کہتے سنا کرتا تھا کہ بندہ ترقی کر کے اس درجہ کو پہونچ جاتا ہے کہ اگر کوئی
اس کے چہرے پر تلوار مارے تو بھی اُسے خبر نہ ہو مگر اس کی واقعیت مین مجھے
شک تھا۔ مین نہین باور کر سکتا تھا کہ انسان پر ایسی محویت طاری ہو سکتی ہے۔ آخر خود
مجھ پر یہی حالت طاری ہوئی اور آشکارا ہو گیا کہ یونہین ہے جیسا کہ سری سقطی
فرماتے تھے"۔

سری سقطی کی زبان سے ایک مرتبہ تو بچپن مین اپنی زبان سے کے مورد فیض
[illegible] اور ایک اب بسن جب کہ بحیثیت مرید اُن کی
خدمت گزاری کر رہے تھے۔ فرماتے ہین ایک دن میرے پاس چار درہم تھے
لے کے سری سقطی کے پاس گیا۔ اور اُنھین پیش کر کے کہا یہ آپ کی نذر ہین۔ وہ

سہ مرآۃ الجنان یافعی۔ عہ رسالۂ قشیریہ۔

بے انتہا خوش ہوئے۔ اور اُنھیں قبول کرکے کہا "اے نوجوان تجھے فلاح (اُخروی) حاصل ہونے کی خوشخبری ہو!" مین نے عرض کیا "کیون؟" فرمایا "اس وقت مجھے چار سو درہمون کی ضرورت تھی۔ اور مین نے دعا مانگی تھی کہ بارالٰہا یہ رقم مجھے اُس شخص کے ہاتھ سے دلوا جو تیرے نزدیک فلاح پانے والا ہو"[1] علامہ یافعی کا بیان ہے کہ اِس خوشخبری کے بعد جنید کے دل سے وہ ملال دور ہوگیا جو پہلی پیشین گوئی سے دل مین جم گیا تھا۔

اب اُن کا کمال باطنی اِس درجے کو پہونچ گیا تھا کہ اکثر اوقات آپ کی روحانی حِس مرشد کی قوت باطنی سے بھی سبقت لے جاتی۔ اور شیخ کو خود اپنے مرید سے سبق ملتا۔ فرماتے ہین "مین ایک دن سری سقطی کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہون کہ اُن کے قریب ایک شخص بیہوش پڑا ہوا ہے۔ مین نے پوچھا "اِسے کیا ہوا کہ اِس قدر ازخود رفتہ ہے؟" سری نے فرمایا "قرآن کی ایک آیت سُن پائی تھی سنتے ہی اِس شخص کی یہ حالت ہوگئی۔" مین نے کہا "تو وہی آیت پڑھ کے دوبارہ سُنائیے ہوش مین آجاے گا۔" سری نے دوبارہ وہ آیت پڑھی اور اب کی اُسے سنتے ہی ہوش آگیا۔ سری نے متعجب ہو کے پوچھا "تمھین یہ تدبیر کیونکر اور کس سے معلوم ہوئی؟" مین نے کہا "یوسف کے کُرتے سے حضرت یعقوب کی آنکھین جاتی رہی تھین۔ اور پھر اُسی کُرتے سے وہ اچھی ہوگئین۔" اِس جواب کو سری نے بہت ہی پسند کیا۔[2]

اسی طرح ایک اور مرتبہ حضرت سری سقطی کی خدمت مین حاضر ہوئے تو اُن کی حالت نہایت متغیر پائی۔ ادب سے پوچھا "یہ تغیر کیسا ہے؟" فرمایا "ابھی آج ایک نوعمر شخص میرے

---

[1] مرآۃ الجنان یافعی۔ [2] رسالۂ قشیریہ ۲۰۳۔

پاس آیا۔ اور پوچھنے لگا توبہ کیا چیز ہے؟ مین نے کہا توبہ کے یہ معنے ہین کہ انسان اپنے گناہ کو نہ بھولے۔ یہ سُن کے وہ نوجوان بولا "غلط" مین نے کہا "کیون؟" بولا توبہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے گناہ کو بھول جائے۔" جنید نے یہ گفتگو سن کے کہا "پھر آپ کو تشویش کس بات کی ہے؟ میرے نزدیک تو وہ نوجوان ہی سچ کہتا تھا۔" سری نے کہا "کیونکر؟" عرض کیا "اس لیے کہ صفائی کے وقت غبار کا خیال گزرنا بھی غبار ہے۔" یہ ایسا اطمینان بخش فیصلہ تھا کہ سری سقطی نے فوراً قبول کر لیا۔ اور سمجھ گئے کہ بھانجا اُن کے فیض باطنی سے ولایت کے کس درجے پر پہونچ گیا۔

ظاہری اور باطنی ترقیون نے آب حضرت جنید کو اس درجۂ کمال پر پہونچا دیا تھا کہ علوم ظاہریہ مین تو آپ کے مخالف اور دشمن بھی لوہا مانتے تھے۔ اور علوم باطنیہ مین اس مرتبے پر تھے کہ ذرا گردن جھکائی اور مخفی باتون کا انکشاف ہو گیا۔ لیکن وعظ مین زبان نہ کھلتی تھی۔ طبیعت کچھ ایسی مرعوب سی رہا کرتی تھی کہ مجمع عام مین زبان سے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ کنج عزلت مین بیٹھتے تو سیر روحانی مین وہان تک پہونچ جاتے کہ ع فرشتہ فرو ماند از سیر او۔ مگر صحبت وعظ گرم کرنے سے گھبراتے۔ سری سقطی بار بار کہتے کہ "لوگون مین بیٹھ کے وعظ کیون نہین کہتے؟" مگر ہمیشہ اُن کے کہنے کو ٹال دیا کرتے۔ آخر ایک شب عالم رؤیا مین دیکھا کہ حضرت سرور کائنات صلعم تشریف لائے ہین اور حکم دیتے ہین کہ وعظ کہا کرو۔ خواب کیا تھا؟ اسی گھڑی سے اُن کی حالت مین ایک تغیر عظیم پیدا ہو گیا۔ صبح ہونے کا بھی انتظار نہ کیا۔ اور رات ہی حضرت سری سقطی کے پاس چلے گئے۔ اور دروازے پر دستک دی۔ اُنھون نے دروازہ کھول کے

ع۵ عوارف المعارف للشیخ شہاب الدین السہروردی۔

اندر بلایا تو سامنا ہوتے ہی ساری کیفیت کہ سنائی۔ اُنھون نے سُن کے فرمایا" مین پہلے ہی کہتا تھا۔ مگر تم نے کسی طرح نہ مانا۔ اب خاص حضرتِ رسالت کی زبان فیض ترجمان سے سُن کے تو مانو گے؟" کہا" اب کیون نہ ماننے لگا تھا۔"

جناب رسالت کے فیض سے اِدھر تو اِن کا حوصلہ ایسا بڑھا دیا کہ وہ جھجک اور مرعوبیت دل سے جاتی رہی۔ اور بلالحاظ اِس کے کہ اپنے عجز کا کچھ بھی خیال کرین وعظ کہنے کو تیار ہو گئے۔ اُدھر آپ کے پیمبرانہ تصرف نے مسلمانون مین یہ عام خیال پھیلا دیا کہ جنید وعظ کہین گے تو بے مثل ولاجواب کہین گے۔ غرض صبح ہی کو جامع مسجد مین جا کے زور وشور سے وعظ کہا۔ اور ایسا بیان کیا کہ تمام سامعین عش عش کر رہے تھے۔ اور زمانہ حیرت مین آ گیا۔

لوگون مین اِن کے علم وفضل کی پہلے ہی سے شہرت ہو رہی تھی۔ صرف ان کی کم گوئی اور عجز لسان کی شکایت تھی۔ اب حضرت رسالت کی برکت سے دھڑلے کے ساتھ مجمع عام مین بیٹھ کے وعظ کہا تو سارے بغداد مین دھوم پڑ گئی کہ جنید نے پند ونصائح کا دروازہ کھولا۔ گلی کوچون مین جہان سنیے یہی تذکرہ تھا۔ اس کی شہرت دور دور تک ہوئی تو ایک اجنبی مجوسی نوجوان آپ کے پاس آیا۔ اور پوچھا" اے شیخ زمانہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو۔ اِس لیے کہ وہ اللہ کے نُور سے دیکھتا ہے اِس کا کیا مطلب ہے؟" یہ سوال سُن کے جنید نے کچھ دیر تک سر جھکا کے غور کیا۔ اور پھر سر اُٹھا کے کہا" اِس کا مطلب بس یہی ہے کہ تم اب مسلمان ہو جاؤ۔" اُس کے سینے مین شمع ہدایت پہلے ہی روشن ہو چکی تھی۔ یہ جواب سنتے ہی اُسے

ہ وفیات الاعیان لابن خلکان۔

یاد رہ گیا کہ جنید واقعی اللہ جل شانہ کے نور سے دیکھتے ہیں۔ اور بلا تامل مسلمان ہو گیا۔

اس زمانے میں آپ کے مثل کوئی صاحب باطن صوفی نہ تھا۔ زہد و تقوی۔ ریاضت و عبادت میں یکتائے عصر تھے۔ چنانچہ اُس زمانے کے بعض مشائخ صوفیہ کا بیان تھا کہ کعبی نے جو بڑے مستند ائمۂ معتزلہ میں سے تھے ایک دن مجھ سے کہا "بغداد میں ہمارے ایک شیخ کو میں نے دیکھا جن کا نام جنید ہے۔ اُن کے پاس نثار الفاظ اور اُن کی بندش دیکھنے کو فلسفی اُن کی نکتہ رسی اور نازک خیالی سننے کو شعراء فصاحت و خوش گفتاری کا اندازہ کرنے کو۔ اور کلام والے معانی و مطالب سمجھنے کو حاضر ہوا کرتے ہیں۔" رموز معرفت اور مقامات باطنی جاننے کی حیثیت سے اس بلند پایہ پر تھے کہ خود مرشد اور شیخ اُن کے مقابل آپ کو کم پاتے چنانچہ کسی نے ایک دن اتفاقاً سری سقطی سے پوچھا "کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرید کا رتبہ مرشد کے رتبے سے زیادہ ہو جائے؟" فرمایا "ہاں ہو سکتا ہے۔ اِس کی یہی شہادت کافی ہے کہ جنید کا درجہ میرے درجے سے بڑھا ہوا ہے۔"

آخر حضرت سری سقطی نے اپنے بھانجے اور مرید جنید بغدادی کو اِس کمال کے درجے تک پہونچا کے سنہ ۲۵۳ھ میں سفر آخرت کیا۔ اور مقابر شونیزیہ میں جس قطعۂ زمین کو بعض مشائخ باطن سے خصوصیت تھی دفن ہوئے۔ یہ نہیں معلوم کہ جنید کے والد محمد بن جنید نے کس سن میں انتقال کیا۔ اور کب آپ کو یتیم چھوڑ گئے۔ مگر سچ یہ ہے کہ آپ کو اصلی یتیمی سے اُس وقت سابقہ پڑا جب کہ سری سقطی کا وصال ہوا۔ اس لیے کہ وہ مرشد ہی

عہ طبقات الکبریٰ۔ عہ تذکرۃ الاولیا۔ عہ وفیات الاعیان لابن خلکان مگر علامہ یافعی مرآۃ الجنان میں سری سقطی کا سال وفات ۲۵۷ھ بتاتے ہیں۔ یعنی اس کے دو سال بعد۔

نہین ماموں بھی تھے۔ اور وہی خاندان مین سب سے زیادہ بڑے اور محترم تھے۔ اور جنید نے تو باپ کے عوض زندگی بھر اُنھین سے سابقہ رکھا تھا۔

گو اب شاید ضرورت نہ ہوگی کہ کسی اور شیخ کی طرف توجہ کرین۔ مگر شوق کی آگ ابھی تک بجھی نہ تھی۔ دیگر مشائخ باطن کی تلاش مین نکلے جن مین سے ایک ابوحفص عمر حداد تھے جن کا شمار اُس دور کے سن رسیدہ اور گران پایہ اولیاءاللہ مین تھا۔ ان بزرگ کا وطن مالوف کُردآباد نام ایک موضع تھا جو اُس سڑک کے کنارے واقع تھا جو نیشاپور سے بخارا کو گئی تھی۔ وہ فرید زمانہ اور یگانۂ عصر اہل باطن مین تھے۔ ان کے سامنے جب کبھی اللہ جل شانہ کا ذکر آتا تو اُن کی حالت یک بیک اس قدر متغیر ہو جاتی کہ تمام حاضرین صحبت کو بھی مسوس ہو جاتا۔ وہ بھی بڑے پابند شرع صوفی تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ "جو شخص اپنے افعال اور حالات کا اندازہ ہر وقت قرآن و حدیث سے نہین کیا کرتا اور اپنے دل کی جذبات کو ملزم نہین ٹھہراتا اُس کا نام بزرگون کی فہرست مین نہین ہے"عسہ

حضرت جنید کو اُن کی خدمت مین حاضر ہونے کی نوبت نہین آئی بلکہ وہ خود اپنے مریدون اور خادمون کے ساتھ وارد بغداد ہوئے۔ اور جنید کو خوش نصیبی سے گھر بیٹھے [illegible] جنید نے جیسے ہی اُن کے وارد بغداد ہونے کی خبر سنی فوراً اُن کی زیارت کو گئے۔ ملاقات ہوئی تو کیا دیکھتے ہین کہ اُن کے تمام خدام اور مریدین سامنے مودب اور دست بستہ کھڑے ہین۔ اور چوب ادب سے سر جھکائے اور مرشد کے حکم پر کان لگائے ہوئے ہین۔ ایک روحانی درگاہ مین دربار سلطانی کی سی شان دیکھ کے جنید نے کہا "آپ اپنے خدام کو دربار شاہی کے آداب و اطوار

عسہ طبقات الکبری للشعرانی عسہ رسالہ قشیریہ

سکھاتے ہین"۔ ابوحفص نے فرمایا: "اے ابوالقاسم ایسا نہین ہو مجھے شاہی رعب داب کی ضرورت نہین۔ مگر خوب یاد رکھو کہ ظاہری حسن ادب باطنی حسن ادب کا عنوان ہوا کرتا ہے۔ یعنی جسے اس ظاہری دنیا مین آداب کی تعلیم نہین ہوئی وہ وہان بھی آداب کے لوازم نہ بجا لاسکے گا"۔ یہ جواب سُن کے پھر جنید بغدادی کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال سکے۔ سچ یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر امر مین انسان کی نیت اور غرض کو دخل ہے۔ یہی شان و تمکنت کوئی دنیادار اپنے نفس کے موٹا کرنے اور خود نمائی کی شان دکھانے کے لیے کرتا تو انتہا درجے کا نالائق خیال کیا جاتا۔ مگر یہی چیز ایک ولی کامل مین نیک نفسی کی برکت سے شان ولایت بن گئی۔

اب جنید بغدادی نے اس بزرگ شیخ کو کمال عقیدت سے اپنا مہمان کیا۔ اور خود اُن کے اور اُن کے اصحاب و رفقا کے لیے روز طرح طرح کے لذیذ اور پُرتکلف کھانے پکواتے اور قسم قسم کے الوان نعمت روزانہ لاکے پیش کرتے۔ شیخ ابوحفص نے جب مسلسل کئی دن تک یہ حالت دیکھی تو اسے ناپسند کیا۔ اور فرمایا: "میرے ہمراہیون کے صبر کی حالت نامردلوگون کی سی ہے۔ اور تم یہ نعمتین کھلا کھلا کے اُن کے نفس کو موٹا کیے دیتے ہو۔ سچی مہمان نوازی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ تکلف چھوڑ دو اور جو کچھ حاضر ہو اُسے لا کے پیش کر دو۔ ایسے تکلفات کا انجام اکثر یہ ہوتا ہے کہ میزبان و مہمان مین مفارقت ہو جاتی ہے۔ اور بے تکلفی مین مہمان کا جانا اور رہنا یکسان معلوم ہوتا ہے"۔

ان چند مذکورۂ سابق اساتذۂ روحانی اور شیوخ باطن کے علاوہ جنید کے

عہ عوارف المعارف۔ شہاب الدین سہروردی۔ عہ رسالۂ قشیریہ۔

استادون مین- محمد بن علی القصاب اور محمد بن مسروق طوسی کے نام بھی بتائے گئے ہین اس
مین کوئی شبہ نہین کہ جنید کو ان بزرگون سے فیض پہونچا- مگر افسوس کہ ہمین باوجود
جستجوے کثیر اور ورق گردانی کے ان شیوخ کی صحبت فیض مین جنید کے شریک ہونے اور
اُن سے برکت حاصل کرنے کا کوئی واقعہ نہین معلوم ہو سکا- ان مین سے اول الذکر
بزرگ کی نسبت علامۂ ابن اثیر ۲۷۵ھ کے واقعات مین لکھتے ہین "اسی سال ابوجعفر محمد
بن علی قصاب صوفی نے انتقال فرمایا جو سری سقطی کے معاصرین مین سے تھے- اور جنید
بغدادی اکثر اُن کی صحبت مین رہے تھے" اور آخر الذکر کی نسبت علامۂ یافعی مرآۃ الجنان
مین لکھتے ہین کہ ۲۹۸ھ مین (جس سال کہ اُنھون نے خود جنید بغدادی کی وفات لکھی ہے)
شیخ عارف محمد بن مسروق طوسی نے انتقال فرمایا جو جنید کے استاد تھے" سنین وفات
کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنید کو ابوحفص عمر حداد کی وفات کے بعد سے ۱۰ برس بعد
تک محمد بن علی قصاب سے- اور اُن کے بعد آخر عمر تک محمد بن مسروق طوسی سے
نفع اُٹھانے اور فیض و برکت حاصل کرنے کا موقع حاصل تھا-

جنید کے ایک اور شیخ یعقوب زیات کا حال جہان تک علامۂ ابن جوزی کی تحریر سے لگتا
ہے- وہ بروایت جعفر خلدی خود جنید بغدادی کی زبان سے یہ واقعہ بیان کرتے
ہین کہ "مین یعقوب زیات کے دروازے پر گیا- اُن کے فیض یاب صحبت کا ایک گروہ
دروازے پر کھڑا تھا- یعقوب نے اندر سے کہلا بھیجا کیا تم لوگون کے لیے اللہ جل شانہ
کا مشغلہ نہین جو اُس کا ذکر چھوڑ کے میرے پاس آئے ہو؟ اس کے جواب مین اور
کوئی تو کچھ نہین بولا مگر جنید بول اُٹھے [illegible] آپ کی خدمت مین حاضر ہونا بھی
اسی کے شغل مین داخل ہے تو پھر کیون نہ آئین؟ اب شیخ نے باریابی کا موقع دیا تو

جنید نے جاتے ہی توکل کی بحث چھیڑی۔ یعقوب زیات کے پاس اتفاقاً اُس وقت ایک درہم موجود تھا اُسے نکال کے کسی کو دے دیا تو توکل پر بحث شروع کی۔ اور نہایت ہی اچھی گفتگو کی۔ اِس کے بعد خود ہی فرمایا "مجھے شرم آئی کہ توکل پر تو گفتگو کروں اور خود میرے پاس کچھ رقم موجود ہو۔"

اگرچہ حضرت جنید بغدادی کے دو سو اساتذہ اور شیوخ بتائے گئے ہیں مگر اُن میں صرف اُنھیں چند حضرات کے نام معلوم ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ بزرگ ہیں جن کی تعلیم اور جن کے فیض صحبت نے جنید کو سید الطائفہ اور مشائخ صوفیہ کا سرگروہ بنایا۔

آپ کے سفر

مشائخ صوفیہ اور اہل باطن میں دو قسم کے بزرگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اقطاب و اوتاد کی شان سے ایک ہی جگہ اقامت گزین رہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو ہمیشہ سفر اور سیاحت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ حضرت جنید کا شمار اوّل درجے کے مشائخ باطن میں تھا۔ اس لیے کہ آپ نے بہت کم سفر کیا۔ یہاں تک کہ طلب علم اور تحصیل فیوض باطنی کے لیے بھی آپ کو گھر سے قدم باہر نکالنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جن اساتذہ کے سامنے فقہ و علوم دینیہ کے لیے زانوے شاگردی تہ کیا خاص وطن میں موجود تھے۔ اور جن بزرگ سے زیادہ تر برکات باطنی حاصل کیے وہ خاص اپنے رشتہ دار تھے اور گویا گھر ہی کے اندر موجود تھے۔

عـہ تلبیس ابلیس۔ عـہ رسالۂ قشیریہ۔

خوش نصیبی سے ولادت اور نشو و نما کے لیے آپ کو دار السلام بغداد کا سا شہر ملا تھا جو اُن دنوں مرجع انام بنا ہوا تھا اور دنیائے اسلام میں چاہے کوئی کتنا ہی بڑا صاحب کمال ہوتا اس مبارک شہر میں کبھی نہ کبھی اُس کا ضرور گزر ہو جاتا۔ اسی سبب سے آپ کو یہ موقع ہمیشہ حاصل رہا کہ بغرض فیض حاصل کرنے کے لیے کہیں باہر جانے کے خود اساتذہ گھر بیٹھے آپ کے پاس آجاتے۔

ان حج اور دینی ضرورتوں سے آپ کو متعدد سفر کرنے پڑے۔ سب کے پہلے سات برس کی عمر میں حضرت سری سقطی آپ کو اپنے ساتھ مقدس ارض حجاز میں لے گئے تھے۔ اور حج سے شرفیاب کرایا تھا جبکہ شکر کی بحث پر آپ نے اپنا مادرزاد مادۂ ولایت ظاہر کر کے اہل اللہ کے ایک مجمع کثیر کو ششدر کر دیا تھا۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔

اس کے بعد ہنوز آپ کی کم عمری کا زمانہ تھا کہ ایک مرتبہ حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ دوران ایام حج میں بہت سے مشائخ اور اہل اللہ کا مجمع ہو گیا۔ جن کی صحبت میں آپ بھی شریک ہوئے۔ شیوخ میں محبت اور عشق الٰہی کا مسئلہ چھڑا۔ سب نے آپ کی طرف مخاطب ہو کے کہا "اے شیخ عراقی۔ اس بارے میں تم بھی کچھ بیان کرو۔" آپ نے بزرگوں کی یہ فرمائش سنتے ہی سر جھکا لیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور کہنا شروع کیا "جو بندہ اپنے نفس سے گزرنے والا ہے۔ اپنے پروردگار کے ذکر سے قریب ہے۔ اُس کے حقوق ادا کرنے کے لیے مستعد ہے دل کی آنکھوں سے اُس کا جمال دیکھ رہا ہے۔ ایسے بندے کا دل اُس کی تجلیوں سے جل گیا اور محبت الٰہی کے جام میں بھر کے اُس نے شراب شوق پی۔ لہٰذا ہوا کہ وہ خدا سے جبار اپنے غیب کے پردے اُٹھا کے نمایاں ہوا۔ اور بندے کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر کلام

کرتا ہے تو اللہ کا۔ زبان سے نکالتا ہے تو لفظ اللہ کا۔ اگر حرکت کرتا ہے تو اللہ کے حکم سے اور اگر ٹھہرتا ہے تو اللہ کے ساتھ۔ خلاصہ یہ کہ اب وہ اللہ سے ہو اللہ کے لیے ہے اور اللہ ہی کے ساتھ ہے" یہان تک بیان کرنے پائے تھے۔ کہ تمام شیوخ بیتاب ہو کے رونے لگے۔ اور سب نے کہا "اس سے بڑھ کے محبت کا بیان نہین ہو سکتا۔ اے تاج العارفین خدا آپ کو ان کمالات مین اور ترقی دے"۔ عہ

ایک مرتبہ آپ حج مین تھے۔ اور رات کو تن تنہا طواف کعبہ کو تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ رات کے اندھیرے مین ایک عورت بھی طواف مین مشغول ہے۔ مگر طواف کے ساتھ ساتھ کچھ عاشقانہ اشعار پڑھتی جاتی ہے۔ انھون نے قریب جا کے کہا "ایسے مقدس و محترم مقام مین اس قسم کی ناپاک آرزوئین ظاہر کرتے تجھے شرم نہین آتی!" اس نے جذبات عشق کی عذرخواہی مین چند اور اشعار پڑھ کے سُنا دیے۔ اور ان سے پوچھنے لگی "تم خدا کا طواف کرتے ہو یا خانۂ خدا کا؟" انھون نے جواب دیا کہ "خانۂ خدا کا" یہ سن کے اس نے ایک عجیب جوش کی وضع سے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھا اور کہنے لگی "سبحان اللہ! تیری مخلوق مین ایسے لوگ بھی ہین جو پتھر کی طرح بے حس ہین۔ اور پتھر کے گرد طواف کرتے ہین!" اُس کی زبان سے یہ الفاظ سُن کے جنید پر ایک ایسا وجد کا عالم طاری ہوا کہ دنیا و مافیہا سے غافل ہو گئے۔ اور جب ہوش آیا تو وہ عورت غائب تھی جس نے اُنھین معرفت و توحید کا بہت ہی موثر سبق دیا تھا۔ عہ

اسی طرح ایک بار موسم حج مین آپ مکہ معظمہ مین تشریف رکھتے تھے عجمیون اور مولدین عہ

عہ رسالۂ قشیریہ۔ عہ روض الریاحین۔ عہ جو عرب لوگ ارض عرب کے باہر جا کے رہ پڑتے اور عجمی قومون سے ممتزج ہو جاتے اُن کی اولاد مولد کہلاتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ مولدین عربون کے پورپشین

کی ایک بڑی بھاری جماعت آپ کو اپنے حلقے مین لیے ہوے تھی۔ ناگہان ایک شخص پانسو دینار کی تھیلی لیے ہوے آیا۔ اور اُس تھیلی کو آپ کے سامنے رکھ کے عرض کیا" اس رقم کو آپ فقرا مین تقسیم کر دیجیے۔" آپ نے پوچھا" تمھارے پاس اور روپیہ بھی ہے؟" عرض کیا" جی ہان خدا کا دیا بہت کچھ ہے" پوچھا" اس کے علاوہ تم اور روپیہ بھی پیدا کرنا چاہتے ہو؟" عرض کیا" جی ہان۔ کیون نہین؟" اُس کی زبان سے یہ جواب سنتے ہی آپ نے فرمایا" تو پھر تم ہی اس رقم کے زیادہ محتاج ہو۔ لیجا کے اپنے ہی پاس رکھو۔" اور یہ کہہ کے وہ ساری رقم اُسے واپس کر دی۔

شاید اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ کسی عالم یا صوفی نے نہ بتایا ہوگا کہ سچے فیاضی کرنے والے کی نیت کیسی ہونی چاہیے۔ واقعی اُن فقرا اور درویشون کے مقابل مین جو مال دنیا کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہون اور جنھون نے ہوسون کو دل سے نکال کے پھینک دیا ہو وہ اُمرا ہی روپیہ کے زیادہ محتاج ہین جنھین ہر وقت از دیاد دولت کی ہوس رہا کرتی ہے۔

آپ کا سفر کبھی تو تن تنہا ہوا کرتا تھا اور کبھی معتقدین اور ارباب ذوق کے ساتھ چنانچہ ایک مرتبہ جبکہ آپ بہت سے شیوخ اور خدام کے ساتھ جا رہے تھے راستے مین جبل طور سینا پر گزر ہوا۔ وہان عیسائی راہبون کی ایک خانقاہ تھی۔ جس کے نیچے ایک چشمے کے کنارے آپ اپنے رفقا کے ساتھ ٹھہر گئے۔ ایک قوال نے جو ہمراہ رکاب تھا بیٹھ کے گانا شروع کیا۔ صحبت سماع گرم ہوئی۔ اور اہل دل صوفیہ پر بیخودی کی حالت طاری ہوئی۔ وجد مین آن کے لوگ اُٹھے۔ اور بیتابانہ انداز سے

لہ رسالۂ قشیریہ۔

اُچھلنے کودنے لگے۔ راہب اتنے دیر سے اِس کیفیت کو دیکھ رہا تھا۔ جب یہ رنگ دیکھا تو اہل صحبت مین سے ایک ایک کو تسلیم دلا دلا کے اپنے پاس بلانے لگا۔ مگر یہان ذوق بیخودی مین کسے ہوش تھا کہ اُس کی طرف توجہ کرتا۔ دیر کے بعد جب صحبت سماع موقوف ہوئی اور سب بزرگ اپنی اپنی جگہ پر قرینے سے بیٹھ لیے تو اُس راہب نے آکے پوچھا "آپ سب لوگون مین اُستاد اور شیخ کون ہے؟" سب نے جنید کی طرف اشارہ کیا۔ تب وہ جنید کے پاس آیا اور پوچھا "یا شیخ یہ سماع اور یہ حرکات تھیا یا نہ جن مین ابھی ابھی آپ سب صاحب مشغول تھے آپ ہی کے دین مین ہین یا دیگر مذہبون مین بھی ہین؟" جنید نے کہا "یہ ہمارے ہی ساتھ مخصوص ہین بشرطیکہ زہد و تقویٰ مین فرق نہ پڑنے پائے" اُسے یہ صحبت اِس قدر پسند آئی تھی کہ جنید کی زبان سے یہ جواب سنتے ہی کلمۂ شہادت پڑھ کے مسلمان ہو گیا۔

مگر تنہائی کے سفر اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور معنی خیز ہوا کرتے تھے۔ خود فرماتے ہین کہ ایک بار سفر حج پر جاتے وقت مجھے ریگستان عرب مین ایک ببول کے درخت کے نیچے ایک نوعمر جوان بیٹھا نظر آیا۔ مین نے قریب جا کے پوچھا "یہان کیون بیٹھے ہو؟" کہا "ایک حالت مجھ پر طاری تھی۔ اِس جگہ پہونچ کے جاتی رہی۔ اُسی کی تلاش مین بیٹھا ہون۔" یہ کلمات سن کے مین نے اُسے وہین چھوڑا اور آگے کی راہ لی۔ بعد فراغت حج واپس آیا تو اُس شخص کو دیکھا کہ اُس پہلی جگہ سے ہٹ کے ذرا فاصلے پر بیٹھا ہے۔ پوچھا "اب یہان کیون بیٹھے ہو؟" بولا "کھوئی ہوئی چیز مجھے اِس جگہ مل گئی۔ اِس لیے پاؤن توڑ کے یہین ٹھہر گیا۔" یہ واقعہ بیان کر کے خود ہی فرماتے ہین "مین نہین کہہ سکتا کہ ان

عہ روض الریاحین۔

دونون باتون مین سے کون زیادہ اچھی تھی؟ کھوئی ہوئی حالت کی تلاش مین بھٹکنا؟ یا اُس جگہ بیٹھ رہنا جہان گوہر مراد ہاتھ آیا؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن دونون طالبان معرفت کیسی کیسی ریاضتین کرتے تھے؟ اور جس دُھن مین لگتے اُس دھن مین کس قدر محو ہو جاتے تھے؟"

انھین سفرون مین سے ایک مین آپ کا گزر کوفے کے طرف ہوا۔ وہان ایک دن ادھر اُدھر پھر رہے تھے کہ ایک مکان کے پاس سے گزرے۔ جو کسی بڑے معزز رئیس کا معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اُس کے گرد و پیش عجیب چہل پہل نظر آتی تھی۔ دولت کے طرح طرح کے کرشمے نمایان تھے۔ اور دروازے پر نوکرون اور غلامون کا ہجوم تھا۔ اتنے مین سُنا کہ کوئی خوش گلو عورت ایک حجرے کے پاس بیٹھی یہ اشعار گا رہی ہے۔

الا یا دارُ لا یدخلک حزنٌ   ولا یعبث بصاحبک الزمانُ

اے مکان تجھ مین غم نہ آنے۔ اور تیرے رہنے والون کے ساتھ زمانہ کج روی نہ کرے۔

فنعم الدارُ انتِ لکل ضیفٍ   اذا ما الضیف اعوزہ المکانُ

مہمان جب بے خانمان ہو تو ایسے مہمان کے لیے تو کیا اچھا گھر ہے!

ایک مدت کے بعد پھر آپ کا ادھر سے گزر ہوا۔ اب جو دیکھتے ہین تو مکان پر تباہی برس رہی ہے۔ در و دیوار پر تنگی کی سیاہی دوڑ گئی۔ چارون طرف نحوست و ذلت اور غربت و مسکنت چھائی ہوئی ہے۔ اور گویا اس سنسان مکان مین سے ہاتف غیب یہ اشعار پڑھ رہا ہے۔

ذہبت حاجۃ سُکانہا وبان ساکنوہا   والدہر لا یبقی مکاناً سالما

ــــــــــــ

عــہ رسالۂ قشیریہ۔ ۱۴۲

اُس کی خوبیان جاتی رہین اور آلام نمایان ہوگئے۔ اور زمانہ کسی مکان کو صحیح وسالم نہ چھوڑے گا۔

فاستبدلت من انسہا بتوحش　　　ومن السرور بہا عشراۃ واتمہا

لہٰذا اُس کے اُنس کو وحشت سے بدل دیا۔ اور سرور کے عوض ماتم بپا کر دیا۔

یہ حالت دیکھ کے جنید کا دل نہایت متاثر ہوا۔ پاس پڑوس والون سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مالک مکان مرگیا۔ اور ساری رونق اُسی کے ساتھ گئی۔ اب بھی انھین چین نہ آیا تو اُس کے دروازے پر جا کے دستک دی۔ تا تو ان آواز مین کسی عورت نے پوچھا "کون ہے؟" انھون نے قریب جا کے پوچھا "اِس مکان کی وہ آب وتاب بہان کے وہ چاند سورج (معشوق) اور آنے جانے والے کیا ہوے؟" [illegible] سنتے ہی عورت زار زار رونے لگی۔ اور بولی "حضرت۔ وہ سب چیزین عاریۃً ملی تھین جہان سے آئی تھین وہین گئین" جنید نے کہا "جب پہلی مرتبہ میرا ادھر سے گزر ہوا ہے تو مین نے ایک عورت کو یہ دو شعر گاتے سُنا تھا" اور وہ شعر پڑھ کے سنا دیے۔ ایک آہ کے ساتھ بولی "خدا کی قسم مین ہی وہ عورت ہون۔ اور میری ہی زبان سے آپ نے یہ شعر سُنے تھے۔ سچ یہ ہے کہ جو کوئی دنیا پر گھمنڈ کرے اُس کے حال پر افسوس کرنا چاہیے" جنید نے پوچھا "تو پھر تم اس اُجڑے مکان مین کیون پڑی ہو؟" بولی "آپ بھی کتنا بڑا ظلم کرتے ہین! کیا یہ دوستون اور پیارون [illegible] اور اُس اگلی صحبت کی یادگار نہین ہے؟" پھر چند شعر پڑھے جن کی جان مندرجۂ ذیل شعر ہے۔

منازل الحب فی قلبی معظمۃ　　　وان خلامن نعیم الوصل منزلہا

میرا دل مقامات محبت کی تعظیم کرتا ہے اگرچہ اُن کے گھرے نعمت وصال سے

محروم ہوگئے۔ یہ سُن کے جنید کو اُس عورت کی سچی دُھن اور اُس کی محبت کے خلوص واستقلال پر حیرت ہوگئی۔ درحقیقت یہ نہایت ہی عبرت خیز سبق تھا جو حضرت جنید بغدادی کو اس سفر مین ملا۔

اُن دنون مسلمانون مین جہاد کا بڑا شوق تھا۔ اگرچہ وہ اگلی خلافت راشدہ اور بنی اُمیّہ کے ابتدائی عہد کی سرگرمی جہاد موقوف ہوگئی تھی مگر پھر بھی موسمی دلچسپیون کے طریقے پر کچھ نہ کچھ سلسلہ ضرور جاری رہا کرتا تھا۔ ایشیاے کوچک کا جو مغربی حصّہ اس وقت تک شہنشاہی روم کی قلمرو مین داخل تھا وہی خلفاے بنی عباس کے زمانے مین مسلمانان ایشیا کے جوش جہاد کی جولانگاہ بنا رہا کرتا تھا۔ اور چونکہ جاڑون کے موسم مین وہان برف اور سردی کی وجہ سے سپاہیون کو تکلیف ہوتی تھی اس لیے گرمیون کے موسم مین شوق جہاد تازہ ہوجاتا۔ اور منچلے شرفاے عرب کا ایک فیشن سا قرار پاگیا تھا کہ جس طرح آج کل جاڑون مین یورپ والے ہندوستان اور مشرقی ممالک کا سفر کرتے ہیں اگر گرمیون مین ہندوستان کے یوروپین حکام کو ہتانون کے سرد مقامات کی ہوا کھاتے ہیں اسی طرح وہ گرمیون کے موسم مین روم پر حملہ کرنے کی تیاریان کرتے [illegible] اور [illegible] صائفہ (گرمیون کا مشغلہ) مشہور ہوگیا تھا۔

امرا کے لیے تو یہ مہمین محض ایک دلچسپ مشغلہ تھین مگر اکثر عباد و زہاد بھی محض ثواب آخرت حاصل کرنے اور فرض مذہبی ادا کرنے کے لیے خلوص نیت سے شریک ہوجاتے تھے چنانچہ جنید بغدادی کے دل مین بھی جہاد کا شوق پیدا ہوا۔ اور سلطنت

صفحہ مرآۃ الجمال باطنی

آراستہ ہو کے روانہ ہو گئے۔ سفر جہاد پر تھے کہ امیر جیش نے غریب و محتاج تصور کر کے آپ کے پاس کچھ خرچ بھیجا۔ انھوں نے اس رقم کو اپنے صرف مین لانا مناسب نہ جان کے محتاج غازیون مین تقسیم کر دیا۔ پھر ایک دن نماز ظہر کے بعد بیٹھ کے غور کرنے لگے کہ اس روپیہ کو اول تو لینا ہی نہ چاہیے تھا۔ اور لیا بھی تھا تو اُسے اِن غازیون پر تقسیم نہ کرتا۔" اسی سوچ مین تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ اور بہت سے عالیشان قصر نظر کے سامنے آ گئے پوچھا "یہ کس کے لیے ہین؟" کہا گیا "اُن لوگون کے لیے جن کو تم نے وہ مال تقسیم کیا تھا۔" پوچھا "میرے لیے بھی کچھ ہے؟" فوراً ایک نہایت عالیشان قصر بتایا گیا۔ پوچھا "مجھے فضیلت کیون دی گئی؟" جواب ملا "اُن لوگون نے تو مال کو خرچ کیا اس لیے مستحق ثواب ہوے۔ اور تم اس لیے کہ اُسے تقسیم کر دیا اور پھر بھی دل مین نادم تھے۔ اس ندامت نے تمھارا ثواب المضاعف کر دیا۔"[۵]

اس سفر مین آپ کے ہمراہ مریدون مین سے آٹھ شخص تھے۔ سرزمین روم مین پہونچ کے دشمن کے سامنے صف آرا ہوئے۔ اور غنیم کے لشکر سے ایک پہلوان نے نکل کے مقابل طلب کیا۔ جنید کے آٹھون مرید یکے بعد دیگرے اُس کے مقابلے کو گئے۔ اور مارے گئے۔ جنید فرماتے ہین "مین نے اس لڑائی کے وقت ہوا مین نو عماریان معلق دیکھین۔ میرے مریدون مین سے جو مارا جاتا اُس کی روح فوراً اُن مین سے ایک عماری مین چلی جاتی۔ یہان تک کہ آٹھ عماریان بھر گئین۔ صرف ایک باقی رہی۔ اور مین نے دل مین کہا تھا کہ "یہ میرے واسطے ہے۔" یہ خیال کر کے مین بھی میدان مین نکلا۔ اور لڑائی کا ارادہ کیا۔ اتنے مین وہ پہلوان سامنے آیا۔

---

[۵] روض الریاحین۔

اور کہا "اے ابوالقاسم۔ وہ باقی ماندہ عماری تمہارے لیے نہیں میرے لیے ہے۔ تم بغداد واپس جا کے لوگوں کو ہدایت کرو اور معرفت کا راستہ بتاؤ۔ لیکن اس سے پہلے مجھے ایمان کی تلقین کرو۔" انھوں نے فوراً اسے کلمۂ شہادت پڑھا کے مسلمان کیا اور وہی تلوار لے کے جس سے جنید کے آٹھ مریدوں کو شہید کر چکا تھا وہ اپنی قوم پر حملہ آور ہوا۔ اور آٹھ رومیوں کو مار کے شہید ہو گیا۔ اور جنید نے میدان جنگ چھوڑنے سے پہلے ہی دیکھ لیا کہ اس باقی ماندہ عماری میں اس کی روح پہونچی اور وہ سب عماریاں غائب ہو گئیں۔[۵]

آپ کے ایک سفر کا کچھ تذکرہ سعدی شیرازی نے بوستان میں بھی کیا ہے جس سے آپ کے کمال تزکیۂ نفس کا بھی پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

شنیدم کہ در دشت صنعا جنید	سگے دید برکندہ دندان زصید
ز نیروے سر پنجۂ شیر گیر	فرو ماندہ عاجز چو روباہ پیر
چو مسکین و بے طاقتش دید در یش	بدو داد یک نیمہ از نان خویش
شنیدم کہ مے گفت و خون مے گریست	کہ داند کہ بہتر ز ما ہر دو کیست
بظاہر من امروز ازو بہترم	دگر تا چہ راند قضا بر سرم

عام حالات زندگی۔ کرامات اور اوضاع و اطوار

آپ اگرچہ اس عہد کے تمام مشائخ صوفیہ بلکہ امت محمدی کے عام اہل دل لوگوں کے سردار اور پیشوا مانے گئے ہیں۔ مگر جیسا کہ ہم اس سے پیشتر بیان کر آئے ہیں آپ کی وضع ہمیشہ سادی رہی۔ نہ اس دور کے فقرا کی طرح خرقہ پہنا اور نہ اس عہد کے بعض

[۵] تذکرۃ الاولیاء۔

شیوخ اور اُن کے مریدون کی طرح زرد کپڑے رنگے۔ ہمیشہ علما اور فقہا ہی کی وضع و
لباس مین رہے۔ ہاتھ مین اکثر تسبیح رہا کرتی تھی۔ جو اُس وقت اسلام کے عباد و زہاد
کے لیے ایک نئی مبتدع چیز خیال کی گئی۔ ہم اسلام مین سب سے پہلے جنید اور اُن کے دوست
نوری کے ہاتھ مین تسبیح دیکھتے ہین۔ بلکہ جنید کے ہاتھ مین تسبیح دیکھ کے ایک دن ایک شخص کہ بیٹھا
کہ "حضرت آپ کے ہاتھ مین اور تسبیح!" فرمایا "یہی تو وہ راستہ ہے جس پر سے گزر کے مین اپنے
پروردگار کے پاس پہونچا ہون۔ اسے مین کبھی نہ چھوڑون گا" معلوم ہوتا ہے کہ اُس
زمانے کے فقہا و محدثین کے خلاف صوفیہ نے تسبیح کو ذکر الٰہی کا آلہ بنایا تھا۔ اور اس مین
کسی مخالفت کی پروا نہ کرتے تھے۔ اور شاید جنید کی صحبت والون مین اسکا چرچا زیادہ تھا۔

ظاہری اتقا اور پرہیزگاری کے ساتھ نفس کشی کی یہ حالت تھی کہ کبھی نفس کو اُبھرنے
کا موقع ہی نہین دیا۔ آپ کے ملنے جلنے والون مین ایک بزرگ جعفر بن نصیر تھے وہ
کہتے ہین کہ ایک دن جنید نے مجھے ایک درہم دیا اور کہا "انجیر وزیری لے آؤ" غالباً اُن
دنون یہ انجیر کی کوئی عمدہ قسم تھی۔ جعفر مین نے اُن کے ارشاد کے مطابق انجیر لا دیے۔
روزہ افطار کرتے وقت اُن انجیرون مین سے ایک کو اُٹھا کے منہ مین رکھا۔ اور آپ
ہی منہ سے نکال کے ڈال دیا۔ پھر آبدیدہ ہو کے کہنے لگے "اُٹھا لیجاؤ" سبب پوچھا تو
ارشاد فرمایا "مین نے اس وقت دل مین ہاتف غیب کی یہ آواز سُنی کہ تجھے شرم نہین
آتی۔ جس خواہش نفس کو تو نے میرے لیے چھوڑ اُسی مین پھر پھنسا جاتا ہے؟" اللّٰہ اکبر
نفوس قدسیہ کے لیے کیسی ذمہ داریان ہین؟ اور اُن کا ضمیر فرشتۂ رحمت بن کے
اُنھین کس کس طرح چونکایا کرتا ہے؟

ؔ مراۃ الجنان یافعی۔ ؔ نفحات الانس۔ ؔ رسالۂ قشیریہ۔ ؔ رسالۂ قشیریہ۔

فرماتے ہین چالیس برس کے زہد وتقوی کے بعد میرے دل مین خیال گزرا کہ اب مین مقصود مین کامیاب ہوگیا۔ یکایک دل کے ہاتف نے آواز دی "جنید۔ اب وہ وقت آیا ہے کہ تیرے زنار کا سرا مین تجھے دکھاؤن" میری زبان سے نکلا "خداوندا جنید سے کیا خطا ہوئی؟" جواب ملا "اس سے بھی بڑھ کے گناہ چاہتا ہے کہ تو موجود ہے" اب مین نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کہا "من لم یکن للوصال اہلاً فکل حسناتہ ذنوب" جو وصل کے قابل نہ ہو اُس کی تمام نیکیان گناہ ہین۔

ایک اور مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ بہت سے مسلمانون کے ساتھ مسجد شونیزیہ مین بیٹھے ہوئے تھے اور کسی جنازے کے منتظر تھے۔ حاضرین مین ایک فقیر آ گیا جس نے دریوزہ گری شروع کی اور ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلانے لگا۔ اُس کی حالت دیکھ کے آپ کے دل مین خیال گزرا کہ کاش یہ فقیر جو کچھ مانگنا ہوتا صرف ایک شخص سے مانگ لیتا۔ اور ایک ایک کے آگے جا کے سوال نہ کرتا" خیر اِس کے بعد جنازہ آیا۔ اور اُس کی نماز پڑھ کے آپ گھر مین آئے۔ اُسی رات کو پلنگ پر لیٹے اور آنکھ لگی تو کیا دیکھتے ہین کہ ایک لاش سامنے لا کے رکھی گئی اور کہا گیا کہ "اِس کا گوشت کھاؤ" انھون نے کہا "مین مردار خوار نہین۔ مردے کا گوشت کیونکر کھاؤن" جواب ملا "جس طرح کل کھایا تھا" یہ الفاظ کان مین پڑتے ہی اُنھین تنبہ ہوا۔ اور اب جو غور سے دیکھتے ہین تو وہ اُسی فقیر کی لاش ہے جسے مسجد مین دیکھا تھا۔ خیال گزرا کہ یہ تو غیبت کی سزا ہے۔ اور بےشک میرے دل مین اُس فقیر کی نسبت بُرا خیال گزرا تھا۔ مگر عذر خواہی کے طور پر بولے "لیکن اِس شخص کی غیبت میری زبان سے نہین نکلنے پائی تھی" جواب پایا گیا

ؔ تذکرۃ الاولیا۔

"یہ صحیح مگر تم اس مرتبے کے شخص ہو کہ تمھارے دل میں اس قسم کا خیال گزرنا بھی ویسا ہی گناہ ہے جیسا کہ کسی اور کے ارکان وجوارح سے ایسے امور کا ارتکاب ہو۔" آخر لاجواب ہو کے انھوں نے درگاہ رب العزت میں توبہ کی۔ اور ساتھ ہی وہ لاش نظر کے سامنے سے غائب ہو گئی۔

اصل یہ ہے کہ جو لوگ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن میں کمال حاصل کر لیتے ہیں۔ اُن کی روحانی حس بڑھ جاتی ہے۔ اور اپنی لغزشوں پر اُنھیں خود اُن کا کانشنس جیسے فرشتۂ ہدایت کہنا چاہیے کبھی ہاتف غیب بن کے اور کبھی خوابوں کے ذریعے سے مطلع کر دیا کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اُنھیں خود اپنے نفس کا احتساب بڑی سختی سے کرنا پڑتا ہے۔ حضرت جنید کو اس قسم کے خواب بارہا نظر آئے۔ جن کے ذریعے سے کبھی تو اُنھیں اپنی غلطیوں پر اطلاع ہوتی تھی۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا۔ اور کبھی کوئی بڑا اہم روحانی مسئلہ طے ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ نے خواب میں شیطان کو برہنہ دیکھا کہا "تجھے لوگوں سے شرم نہیں آتی جو یوں برہنہ مارا مارا پھرتا ہے؟" بولا "یہ لوگ آدمی نہیں۔ آدمی صرف وہ ہیں جو مسجد شونیزیہ میں ہیں۔ جنھوں نے میرا بدن دُکھا دیا اور میرا کلیجہ جلا کے خاک کر دیا۔" جنید کہتے ہیں آنکھ کھلتے ہی میں نے مسجد شونیزیہ کی راہ لی۔ وہاں جا کے دیکھا تو چند لوگ نظر آئے جو سر بزانو استغراق کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور میری صورت دیکھتے ہی اُن لوگوں نے کہا "سنتے ہو۔ اُس خبیث کے کہنے میں نہ آنا۔ یہاں کچھ بھی نہیں۔"

اسی طرح ایک اور مرتبہ شیطان کو خواب میں دیکھا کہ برہنہ بازار میں پھر رہا ہے اور روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں ہے جسے کھاتا جاتا ہے۔ انھوں نے اب بھی وہی کہا

عـہ عوارف المعارف۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عـہ رسالۂ قشیریہ۔ ۱۳۱۔

کہ "تجھے انسانون کے عام مجمع مین یون ننگا پھرتے شرم نہین آتی؟" اُس نے کہا اے ابوالقاسم۔ بھلا زمین پر کوئی ایسا شخص رہ بھی گیا ہے جس سے شرم آئے؟ جن لوگون کے سامنے جاتے شرم آتی تھی وہ سب تہ خاک ہین۔ اور مٹی اُنھین کھا گئی"۔

ایک دن اُنھون نے خواب مین دیکھا کہ وعظ کہہ رہے ہین۔ یکایک ایک فرشتہ قریب آکے ٹھہرا۔ اور پوچھا "مقربین بارگاہ لم یزلی جن کامون کے ذریعے سے قربت الٰہی حاصل کرتے ہین اُن سب کامون مین افضل کون سا کام ہے؟" اِنھون نے جواب دیا "وہ عمل جو میزان مین بھی مخفی ہو اور رکھنے مین بھی"۔ یہ جواب پا کے وہ فرشتہ یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ "خدا کی قسم یہ وہ کلام ہے جو بہ توفیق الٰہی زبان سے نکلا ہے"۔ اسی طرح ایک بار دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اُتر کے آئے۔ جن مین سے ایک نے بڑھ کے سوال کیا "صدق کیا ہے؟" اِنھون نے کہا "عہد کو پورا کرنا"۔ دوسرے نے کہا "سچ ہے"۔ اور دونون اوپر چڑھتے چلے گئے۔ ایک بار اِس سے بھی بڑھ کے خواب مین دیکھا کہ گویا خدا وند جل و علا کے سامنے کھڑے ہین۔ بارگاہ صمدیت کی جانب سے پوچھا گیا "ابوالقاسم یہ باتین جو تم کہا کرتے ہو تمھین کہان سے معلوم ہوئین؟" عرض کیا "مین تو صرف وہی بیان کرتا ہون جو سچ ہوتا ہے" ارشاد ہوا "سچ کہتے ہو"۔

آخر ایسے ہی خوابون سے گزر کے آپ کی روحانی قوت اِس قدر ترقی کر گئی کہ بعض اوقات ایسے انکشافات ہو جاتے جن کو لوگ کشف و کرامت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین۔ ایک رات کو آپ حسب معمول تہجد پڑھنے کو اُٹھے۔ وضو کیا۔ اور کھڑے ہو کے نیت باندھنے کا ارادہ کیا تھا کہ دل گھبرایا۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ کسی حالت پر قرار نہین آتا۔ نہ نماز مین دل لگتا ہے نہ ذکر الٰہی مین۔ ارادہ کیا کہ پھر لیٹ کے سو رہین۔ مگر آنکھ بھی نہ لگی۔ گھبرا کے اُٹھ بیٹھے۔

ع طبقات الکبریٰ للشعرانی۔ ع برسالہ قشیریہ

مگر دل کی یہ حالت تھی کہ بیٹھا بھی نہ گیا۔ پریشان تھے کہ کیا کرون۔ اور کون سی بات کرون کہ دل لگے۔ آخر اُٹھ کے ٹہلنے لگے۔ اور جب وحشت بڑھی تو دروازہ کھول کے باہر نکلے کہ ذرا باہر کھلی فضا مین ٹہلین۔ دروازے سے قدم باہر نکالا ہی تھا کہ دیکھا ایک شخص بیچ راستے مین کملی تانے لیٹا ہوا ہے۔ یہ متحیر تھے کہ اِن کی آہٹ پا کے اُس نے منہ کھولا۔ اور فوراً اُٹھ بیٹھا۔ پھر کہا "ابوالقاسم اتنی دیر؟" اُس کی یہ حالت اور بے تکلفی دیکھ کے اِن پر بھی کچھ ایسا رعب چھا گیا تھا کہ بولے "مولنا۔ مجھے کیا خبر تھی؟ کچھ وعدہ تو تھا نہین کہ اُس کی پابندی مجھ پر فرض ہوتی" اُس نے کہا "یہ آپ سچ کہتے ہین۔ مگر مین نے خداوند جل وعلا سے جو دلون کو حرکت دیا کرتا ہے اور مقلب القلوب ہے دعا کی تھی کہ آپ کے دل کو میرے لیے حرکت دے کے میری جانب مائل کر دے"۔ انھون نے کہا "تو خدا نے بے شک میرے دل کو پھیر دیا۔ اچھا اب یہ ارشاد ہو کہ آپ کیا چاہتے ہین؟" اُس نے کہا "یہ بتائیے کہ خود مرضِ نفس کب نفس کی دوا بن جاتا ہے؟" انھون نے کہا "جب آپ خواہشِ نفس کی مخالفت کرین تو اُس حالت مین نفس کا مرض ہی دوا بن جاتا ہے"۔ یہ جواب سنتے ہی وہ شخص اپنے دل کی طرف مخاطب ہوا اور کہا "سُن لے۔ سات بار مین نے تجھے یہی جواب دیا مگر تو نے نہ مانا۔ ہمیشہ یہی عذر پیش کیا کہ جب تک جنید نہ کہدین نہ مانون گا۔ اب تو جنید کی زبان سے بھی سُن لیا؟ اب بھی مانے گا یا نہین؟" یہ الفاظ کہے اور بے کچھ کہے سُنے چلا گیا۔ اور انھین یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ کون تھا اور کہان سے آیا تھا۔

اِن کے اس کشف مین تو ایک صاحبِ دل بزرگ کے تصرف کو بھی دخل تھا مگر بعض واقعات بتا رہے ہین کہ اِس قسم کا تصرف آپ کو بھی حاصل ہو گیا تھا۔ تخیر شاخ جو

عـہ عوارف المعارف۔ شیخ شہاب الدین سہروردی

ایک بلند پایہ اہل اللہ سری سقطی کے مرید اور آپ کے پیر بھائی تھے۔ کہتے ہین کہ
ایک دن مین اپنے گھر کے اندر بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک دل مین خیال پیدا ہوا جنید
دروازے پر کھڑے ہین۔ مگر بے بنیاد سمجھ کے مین نے اِس کا کچھ خیال نہ کیا۔ پھر دوبارہ
وہی خیال دل مین آ گیا۔ مین نے پھر ٹالا اور سہ بارہ دل مین یہی بات آئی۔ آخر پریشان ہو کے
مین گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ تو کیا دیکھتا ہون کہ واقعی دروازے پر جنید کھڑے ہوے ہین۔
اور اسی قدر نہین میری صورت دیکھ کے فرمانے لگے "جب پہلے پہل تمہارے دل مین میرے
آنے کا خیال گزرا تھا اُسی وقت باہر کیون نہ چلے آئے؟" اِسی طرح کہمش بن الحسین جو ابو محمد
کے لقب سے مشہور تھے اور ہمدان مین رہتے تھے کہتے ہین کہ کسی نے ہمدان مین
رات کے وقت میرے دروازے پر آ کے دستک دی۔ خود بخود میرے دل مین
آئی کہ جنید ہون گے۔ دروازہ کھلا تو واقعی جنید تھے۔ سلام کیا گرمجوشی سے ملے اور
کہا خاص تم سے ملنے کو بغداد مین آیا ہون۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ چلے گئے۔ دوسرے دن مین
نے تلاش کرایا تو کہین پتہ نہ تھا بغداد کے آئے ہوے قافلے والون سے جا کے پوچھا
تو معلوم ہوا جنید نے بغداد سے باہر قدم ہی نہین رکھا تھا؟

سچ پوچھیے تو حضرت جنید کا یہ تصرف اُن بزرگ کے تصرف سے بڑھا ہوا
تھا جنھون نے جنید کو اپنی طرف کھینچا تھا۔ اُن کی کشش نے دل مین صرف ایک قسم
کی گھبراہٹ پیدا کی تھی۔ اور یہ روحانی قوت سے دور تک پہنچ گئے۔ اور بے ملے
لوگون کے دل پر نقش کر دیا کہ جنید آئے ہین۔

اِن کمالات نے آپ کو بڑے بڑے صاحب کمال اہل باطن کا مرجع بنا دیا تھا

ع رسالہ قشیریہ ص ۱۴۲ ع نفحات الانس مولانا جامی۔

جن بزرگوں کا بغداد کی طرف سے گزر ہوتا آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے بلکہ
اس حضوری کو منجملہ واجبات خیال کرتے۔ اور جو لوگ اس میں کسی قسم کی کوتاہی کرتے
وہ آپ کے تصرف اور کشف سے نادم ہوکے دوبارہ اور ادب سے سامنے آکے سر جھکاتے۔

ابو عبداللہ خفیف کہتے ہیں میں حج کے لیے جا رہا تھا کہ راستے میں بغداد پڑا
اتفاقاً میرے سر میں اپنی صوفیت کا غرور تھا اور اپنی حالت پر نازاں تھا۔ یہاں آکے
ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ چالیس دن تک روٹی کھائی اور نہ جنید کی خدمت میں حاضر
ہوا۔ ان دنوں میرا یہ معمول تھا کہ طہارت وغیرہ تو شہر کے اندر کرتا۔ مگر پینے کے لیے ارادہ
کیا کہ شہر کے باہر جا کے کسی پاک چشمے سے پانی لے آؤں۔ پیاسا چلا جاتا تھا کہ ایک
ہرن کو دیکھا کنوئیں کی جگت پر آکے پانی پی رہا ہے۔ میں ڈول لیے ہوئے قریب پہونچا
تو ہرن بھاگ گیا اور اب جو دیکھتا ہوں تو پانی بہت دور اور گہرے میں ہے۔ مایوس
و ناکام پلٹا اور کہا "بار الہا کیا میرا مرتبہ اس ہرن سے بھی کم ہے؟" ناگہاں ہاتف کی
آواز سنی کہ "ہم نے تجھے آزمایا اور پورا نہ پایا۔ خیر جا اور پانی لے" میں دوبارہ کنوئیں
پر گیا تو پانی چھلک رہا تھا فوراً اپنا ڈول بھر لیا۔ اور شہر کی راہ لی۔ یہ پانی آخر تک
رہا۔ جیسے میں روز پیا کرتا تھا۔ اور جس وقت اُسے پیا ہے غیب کی آواز سنی کہ "ہرن
بغیر ڈول کے آیا تھا اور تو ڈول لے کے آیا" ان واقعات کے بعد جب حج سے پلٹ
کے آیا تو جامع مسجد میں گیا۔ وہاں اتفاقاً جنید کا سامنا ہو گیا۔ دیکھتے ہی بولے "اگر
تم صبر کرتے تو خود تمہارے پاؤں کے نیچے سے چشمہ جاری ہو جاتا۔ کاش ایک
گھڑی صبر کیا ہوتا۔[۵]

---

[۵] رسالۂ قشیریہ

بعض اوقات انھین تصرفات کے سلسلے مین آپ کے ہاتھ سے اکثر انتظامات باطنی بھی اجرا پاتے تھے۔ ایک دن جامع مسجد مین بیٹھے ہوے تھے کہ ایک اجنبی شخص آیا اور دو رکعتین پڑھین۔ پھر مسجد کے ایک کونے مین جا کے آپ کو اشارے سے اپنے پاس بُلایا۔ اور کہا "اللہ جل شانہ اور احباب سے ملنے کا وقت آگیا۔ لیکن سُن لو میری تجہیز و تکفین سے جب فراغت ہولے گی اُس وقت ایک نوعمر مغنی تمھارے پاس آئے گا۔ اُسے میرا یہ خرقہ میری یہ جریب اور میرا یہ مشکیزہ دے دینا۔" مین نے تحیر ہو کے پوچھا "مغنی کو؟" جواب دیا "ہان اللہ تعالی نے اُسی کو یہ رتبہ عطا فرمایا ہے۔" اس کے بعد اُس شخص کا انتقال ہوگیا۔ اور تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی ہی تھی کہ ایک مصری نوجوان نے آکے کہا "ابوالقاسم میری امانت۔ لاؤ دیجیے۔" انھون نے پوچھا "تمھین کیونکر خبر ہوئی؟" اُس نے کہا "مین فلان فلان لوگون کی صحبت مین تھا کہ منادی غیب نے حکم دیا جُنید کے پاس جاؤ۔ اور یہ چیزین اُن سے لو۔ کیونکہ فلان شخص کی جگہ پر تم ابدال مقرر کیے گئے ہو۔" یہ سُن کے جنید نے وہ سب چیزین اُس کے حوالے کر دین۔ اُس نے فوراً غسل کر کے خرقہ پہنا اور ارض شام کی راہ لی عـــہ

اکثر عام حاجتمند اپنی ضرورتین لے کے آیا کرتے تھے۔ اور آپ اُن کی نیت و حالت کا اندازہ کر کے ایسا اچھا اور سچا جواب دیتے کہ دیکھنے والون کو حیرت ہو جاتی۔ اور لوگون کے خلوص مین آپ کا باطنی تصرف اثر اور برکت پیدا کر دیتا۔

ابوعبداللہ مکانسی نام اُسی عہد کے ایک بزرگ جو آپ کی بارگاہ فیض سے نفع اُٹھانے والون مین تھے بیان کرتے ہین "مین جنید کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک عورت

عـــہ روض الریاحین۔

اُن کی خدمت مین حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا "میرا بیٹا کھو گیا ہے دُعا فرمائیے کہ مل جائے" آپ نے فرمایا "جا صبر کر" وہ چلی گئی مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر آئی اور وہی پہلا سوال کیا اور آپ نے بھی وہی پہلا جواب دوبارہ دے دیا کہ "جا صبر کر" وہ پھر چلی گئی۔ مگر دل کی بیتابی نے اُس کی یہ حالت کر رکھی تھی کہ بار بار آتی اور عرض کرتی کہ "دعا کیجیے" اور آپ صبر کی ہدایت کرتے۔ آخر مجبور ہو کے اُس نے کہا "اب مجھ مین صبر کی طاقت نہین سو دعا کیجیے کہ مل جائے" تب آپ نے فرمایا "اگر ایسا ہی ہے کہ تو صبر نہین کر سکتی اور اپنے اس قول مین سچی ہے تو جا تیرا بیٹا آ گیا" وہ گئی اور تھوڑی دیر مین آ کے آپ کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ یہ دیکھ کے لوگون کو بہت حیرت ہوئی بعض نے پوچھا کہ "آپ کو اُس کے بیٹے کے آنے کی کیونکر خبر ہو گئی؟" ارشاد ہوا "خداوند جل اعلائے نہین ارشاد فرمایا کہ امّن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء[۵] یعنی جب اِس عورت مین ضبط و صبر کی تاب نہین رہی تھی تو پھر کیا وجہ تھی کہ وہ مضطر ہوتی اور خدا اس کی دعا نہ قبول کرتا؟"

صرف یہی نہ تھا کہ خلوص کو دیکھ کے آپ دوسرون ہی کی دعا کے موثر و غیر موثر ہونے کا اندازہ کر لیا کرتے تھے بلکہ خود آپ کی ذات مین بھی انتہا درجہ کا خلوص تھا۔ اور وہ ایسی ہی برکتین ظاہر کیا کرتا ایک بار آپ کی آنکھین دُکھنے کو آئین۔ ایک عیسائی طبیب سے رجوع کیا۔ اُس نے کہا "پانی سے بچائیے" پوچھا "تو مین وضو کس طرح کرون؟" اُس نے کہا "اگر آنکھین رکھنی ہین تو پانی نہ لگنے پائے ورنہ آپ مختار ہین" طبیب کے جانے کے بعد آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ اور تکیہ پر سر رکھ کے سو رہے۔ جب اُٹھے تو آنکھین اچھی تھین۔ طبیب نے جب یہ کیفیت دیکھی تو کہا "یہ مخلوق کا نہین خالق کا علاج ہے"

---

[۵] رسالۂ قشیریہ۔

اور مسلمان ہو گیا۔

ابو عمر زجاجی نام ایک شخص جنھون نے حضرت جنید سے فیضِ صحبت اُٹھایا تھا عازمِ حج ہوئے تو رخصت ہونے کے لیے آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ آپ نے رخصت کرتے وقت ایک درہم عطا کیا جو نہایت ہی پاک و صاف یعنی بالکل حق حلال کا تھا اور فرمایا "اسے اپنے پاس رکھنا" اُنھون نے اُسے لے کے کمر مین باندھ لیا۔ اور سفر پر چل کھڑے ہوئے۔ راستے مین جہان گزر ہوا لوگون نے آنکھون پر بٹھایا۔ اور ایسی مہمان نوازی کی کہ پورا سفر کر کے اور حج سے فارغ ہو کے واپس آ گئے اور اُس درہم کے خرچ کرنے کی ضرورت نہ پیش آئی۔ بعدِ واپسی جب جنید کی خدمت مین حاضر ہوئے تو اُنھون نے ہاتھ بڑھا کے کہا "لے لاؤ میرا وہ درہم مجھے پھیر دو" اُنھون نے بلا تامل نکال کے دے دیا۔ اور خوش خوش اپنے گھر چلے گئے۔

روحانی قوت نے ترقی کر کے آپ مین ایسا کمال پیدا کر دیا تھا کہ بعض وقت غیظ و غضب مین جلال کی شان پیدا ہو جاتی۔ ایک مرتبہ دربار خلافت مین لوگون نے جنید کی شکایت کی کہ "ان لوگون کے اوضاع و اطوار سے خلقتِ خدا فتنہ و فساد مین پڑی جاتی ہے۔ اور اگر ابھی سے کوئی انسداد نہ کیا گیا تو اسلام کو بڑا بھاری ضرر پہنچ جائے گا" خلیفہ نے کہا "یہ سب صحیح مگر جنید کو ان امور سے بغیر کسی حجت اور بنیاد کے کیونکر روکا جا سکتا ہے؟ ان سے کبھی قسم کی بھی لغزش ہو تو باز پرس کی جائے" آخر آپ کا زہد و ورع ہٹانے کے لیے ایک ملائک فریب حور سیما اور ناز نین لونڈی بھیجی گئی جس نے جنید کی خدمت مین حاضر ہو کے کہا "مجھے اپنی صحبت مین رہنے کی اجازت دیجیے۔ تاکہ

سے تذکرۃ الاولیاء۔   سے رسالۂ قشیریہ۔

شب و روز آپ کی خدمت مین رہ کے عبادتِ الٰہی کیا کرون۔" اُس کی اِن فریب کی باتون کو آپ سر جھکائے سنتے رہے۔ جب وہ معشوقہ گفتگو ختم کر کے خاموش ہوئی۔ تو آپ نے سر اُٹھایا اور مضطربانہ حیثیت سے آہ آہ کر کے اُس پر پھونک ڈالی۔ آپ کی سانس کی ہوا لگتے ہی وہ مہ جبین غش کھا کے گری۔ اور اُسی جگہ تڑپ کے مرگئی۔ جب یہ کیفیت خلیفہ کے گوش گزار ہوئی تو بہت گھبرایا۔ اور خود آپ کی خدمتِ بابرکت مین حاضر ہو کے عرض کیا "آپ نے قیامت کی کہ ایسی محبوبۂ پری تمثال کو مار ڈالا؟ اُس پر آپ کو ترس بھی نہ آیا؟" جنید نے جواب دیا "امیر المومنین مومنون کے حال پر ایسی بے رحمی نہ کرنی چاہیے۔ آپ نے کوشش کی تھی کہ میری چالیس برس کی ریاضتین اور نفس کُشیان ایک آن واحد مین مٹا دین؟ رہی اُس کی زندگی و موت یہ خدا کا کام تھا۔"[1]

ایک دن آپ مسجدِ شونیزیہ مین تشریف لے گئے۔ وہان بہت سے فقرا کا مجمع تھا۔ اور آیات قرآنی کے متعلق بحث ہو رہی تھی۔ آپ بھی اُس صحبت مین شریک ہوگئے بیٹھے ہی تھے کہ ایک درویش نے کہا "مین ایک ایسے شخص کو جانتا ہون کہ اگر اِس ستون سے کہہ دے کہ آدھا سونے کا ہو جا اور آدھا چاندی کا تو اُسی وقت ہو جائے"۔ جنید کہتے ہین "اُس کا یہ دعویٰ سُن کے مین نے اُس ستون کی طرف جو نظر اُٹھائی تو کیا دیکھتا ہون کہ واقعی وہ ستون آدھا سونے کا اور آدھا چاندی کا ہے۔"[2]

اِن روحانی قوتون کے علاوہ انسانی اخلاق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی آپ کا پایہ بہت اعلیٰ نظر آتا ہے۔ آپ کو کسی کے ہاتھ سے چاہے کیسا ہی صدمہ یا نقصان پہونچے آپ انتقام کی کوشش نہین فرماتے تھے۔ اور درحقیقت نفس کے

---

[1] تذکرۃ الاولیا۔ [2] رسالۂ قشیریہ ۱۲۸۔

قابو مین ہونے کی سچی کسوٹی یہی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک چور آپکے گھر مین گھسا۔ یہان کیا رکھا تھا، سوا پیراہن کے جسے عالمانہ وضع کے نباہنے کے لیے آپ پہنا کرتے تھے اُسے کوئی چیز نہ نظر آئی۔ اُسی پیراہن کو لے کے چلا گیا۔ دوسرے روز جنید بازار مین جا رہے تھے۔ اپنے اُس پیراہن کو دیکھا کہ دلال کے ہاتھ مین ہے اور چور پاس کھڑا ہے۔ اتنے مین کسی خریدار نے آکے اُسے دیکھا پسند کیا۔ اور کہا "لیکن کسی ایسے شخص کو لاؤ جو گواہی دے کہ یہ مال تمھارا ہی ہو" حضرت جنید یہ کلمہ سنتے ہی بڑھ کے اُس کے سامنے گئے۔ اور کہا "مین خوب واقف ہون کہ یہ اسی کا مال ہے" جب ان کے ایسے محترم اور راستباز شخص نے گواہی دے دی تو پھر اُسے لینے مین کیا تامل ہو سکتا تھا، بے تکلف خرید لیا۔ اور آپ اپنے گھر واپس آئے۔ سچ یہ ہے کہ یہ بے نفسی سوکرامتون سے بڑھی ہوئی کرامت ہے۔

اب آپ کی شہرت بغداد مین صرف آپ ہی کے زہد و اتقا اور ذاتی کرامات وخوارق عادات کے لحاظ سے نہ تھی بلکہ یہ بھی مشہور تھا کہ جیسے نیک نفس وابرار اور متقی و پرہیزگار اہل باطن آپ کی صحبت فیض مین ملتے ہین کہین نہین ملتے۔ اکثر لوگون کا معمول تھا کہ جب کوئی روحانی برکت یا دینی منفعت حاصل کرنا چاہتے تو آپ کی خدمت مین حاضر ہو کے خود آپ کو یا آپ کی صحبت کے کسی بزرگ کو اپنے گھر لیجاتے اور حصول برکت کے امیدوار ہوتے۔ مگر ایسے مواقع پر اس امر کا آپ بہت لحاظ رکھتے کہ کسی درویش کی دنیادارون کی نظر مین بے وقعتی اور سبکی نہ ہونے پائے۔ اگر اُن کے طرز عمل پر کوئی اعتراض کرتا تو آپ نہایت ہی شافی واطمینان بخش جواب دے دیا کرتے۔

ملے تذکرۃ الاولیا۔

لوگون نے ایک دن پوچھا "آپ کے رفقا کھاتے کیون بہت ہین؟" فرمایا "اُس لیے کہ وہ بھوکے بہت رہتے ہین۔" پوچھا "اچھا شہوانی قوت کا اُن پر غلبہ کیون نہین ہوتا؟" فرمایا "اِس لیے کہ اُنھون نے زنا کا مزہ چکھا ہی نہین۔ اور صرف لقمۂ حلال کھایا کرتے ہین۔" پوچھا "اور اُنھین قرآن سُن کے حال نہین آتا؟" فرمایا "قرآن مین حال لانے والی چیز ہی کون سی ہے؟ وہ حق ہے۔ اور اُس ذات برحق کے پاس سے نازل ہوا ہے جس کے لیے مخلوق کی کوئی صفت شایان نہین۔" پوچھا "تو پھر قصیدون شعرون اور گیتون پر اُنھین کیون حال آتا ہے؟" ارشاد ہوا "اِس لیے کہ یہ خود اُن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزین ہین۔ اور محبت رکھنے والون کا کلام ہے۔" پوچھا "اچھا جس قسم کا سامان دُنیوی اور لوگون کے پاس ہوا کرتا ہے اُن کے پاس کیون نہین ہوتا؟" فرمایا "اِس لیے کہ اللہ جل شانہ نہین پسند کرتا کہ جو چیزین اَور لوگون کے پاس ہین اُن کے پاس بھی ہون تاکہ وہ خدا کو چھوڑ کے مخلوق کی طرف توجہ نہ کرین[۵]۔"

اِن سوالون اور جوابون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی صحبت ذوق مین کس رُتبے اور کس برکت کے لوگ رہا کرتے تھے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ لوگ اُن سے نفع نہ اُٹھاتے۔ اور کیا وجہ تھی کہ آپ ہر موقع و محل پر اُن کے حفظ مراتب کی کوشش نہ فرماتے۔

ایک جمعہ کو ایک عابد و زاہد آدمی آپ کی خدمت مین حاضر ہوا۔ اور کہا "اپنی صحبت کے فقرا مین سے کسی کو میرے ہمراہ کر دیجیے کہ اُسے اپنے گھر لیجا کے

---

[۵] طبقات الکبریٰ۔ للشعرانی۔

کھانا کھلاؤن اور اُس کی صحبت سے فائدہ اُٹھاؤن" آپ نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور ایک شخص کی طرف جس کی صورت سے فاقہ زدگی کے آثار نمایان تھے اشارہ کر کے فرمایا" اِنھین لے جاؤ" اور خود ہی اُس درویش سے کہا" آپ اِن کے ساتھ جائیے۔ اور اپنی صحبت سے اِنھین فائدہ پہونچائیے" وہ آپ کے ارشاد کے مطابق اُس شخص کے ساتھ چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ شخص جو اُس درویش کو ہمراہ لے گیا تھا پھر حاضر ہوا اور عرض کیا" یا حضرت۔ اُس درویش نے صرف ایک لقمہ کھایا۔ اور بے کچھ کہے سُنے اُٹھ کے چلا آیا" آپ نے فرمایا" غالباً تم نے کوئی ناگوار کلمہ زبان سے نکالا ہوگا" عرض کیا" مین نے تو کچھ نہین کہا"

یہ سُن کے آپ نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ صحبت مین وہ درویش بھی خاموش بیٹھا ہوا ہے۔ اُس سے کیفیت دریافت کی تو اُس نے کہا حضرت سنیے مین بھوکا اور فاقہ زدہ کوفے سے بغداد مین آیا ہون۔ مگر غیرت اِس کی متقاضی نہ ہوئی کہ آپ کے سامنے کوئی کلمہ مُنہ سے نکالون۔ اتفاقاً آپ نے خود ہی بغیر میری درخواست کے مجھے اِس شخص کے ساتھ جانے کے لیے بُلایا تو مین دل مین خوش ہوا۔ اور بے عذر ساتھ چلا گیا۔ اِس کے گھر مین جا کے جب دسترخوان پر بیٹھا تو اس نے اپنے ہاتھ سے ایک لقمہ بنا کے دیا اور کہا کھاؤ۔ یہ لقمہ مجھے دس ہزار درہم سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اِسکی زبان سے یہ الفاظ سُن کے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ دنی الطبع شخص ہے۔ فوراً کھانے سے دست بردار ہو گیا۔ اور اُٹھ کے چلا آیا" یہ سُن کے آپ نے اُس میزبان سے کہا" مین نہ کہتا تھا کہ تم نے کوئی نہ کوئی بے ادبی کی ہوگی" پھر آپ نے اُسی درویش کو دوبارہ جانے پر راضی کر دیا۔ اور اُس نے اب کی مرتبہ لے جا کے اُسے ادب سے

کھانا کھلایا۔

اِن صحبتون اِن ریاضتون اور اِن محویتون نے یہ حالت کر دی تھی کہ ایک دن خود ہی کہہ اُٹھے "مین نے دس برس تک دل کے دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ کے دل کی حفاظت کی۔ پھر دس برس تک میرا دل میری نگہبانی کرتا رہا۔ اب بیس برس ہو گئے کہ نہ مین دل کی خبر رکھتا ہون اور نہ دل میری خبر رکھتا ہے۔ اِس حالت کو تیس سال گزر گئے کہ حق تعالیٰ جنید کی زبان سے بات کرتا ہے اور جنید درمیان مین نہین۔ مگر خلقت کو اِس کی خبر نہین"[1]۔

اِس محویت و خود فراموشی کے صلے مین اللہ جل شانہ نے آپ کو مقبولیت بھی ایسی عطا فرمائی تھی کہ شاید کسی کو کم نصیب ہوئی ہو گی۔ جس طرح علم حدیث کے طلبہ اُن دنون علماے حدیث کی درس گاہون مین دُور دُور سے آ کے جمع ہوتے اور اُن کے حلقۂ درس سے فیض یاب ہوتے تھے اُسی طرح آپ ساری دنیا کے متصوفین اور اساتذۂ باطن کے مرجع و ماویٰ بنے ہوئے تھے۔ اور بڑے بڑے پاک باطن اہل دل آپ کے حلقۂ ذوق مین شریک ہو کے آپ کی شمع معرفت سے اپنے سینے کے چراغ روشن کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ صوفیہ کے ایک گروہ نے آپ کی صحبتِ فیض مین حاضر ہو کے پوچھا "ہم اگر طلبِ رزق کی کوشش کرین تو کیسا؟" فرمایا "اگر یہ خیال ہے کہ وہ رزاق عالم تمھین بھول گیا ہے تو ضرور کوشش کرو۔" اُن لوگون نے عرض کیا "تو کیا آپ کا یہ مقصد ہے کہ ہم توکّل اختیار کر کے گھر مین بیٹھ رہین؟ اور

---

[1] رسالۂ قشیریہ - ۱۶۹ - [2] تذکرۃ الاولیا۔

ہاتھ پاؤن نہ ہلائین؟" فرمایا "ہرگز نہین - یہ کون کہتا ہے کہ تم اپنے توکّل سے خدا کا امتحان لو؟ کیونکہ اس طرح ہاتھ پاؤن توڑ کے بیٹھنے کا مطلب یہی ہوا کہ گویا تم خدا کا امتحان لے رہے ہو - اور یہ ایسی چیز ہے جس سے سوا محرومی قسمت کے تمھین کچھ نفع نہ حاصل ہوگا۔" اُن لوگون نے عرض کیا "تو پھر آخر کیا کرین؟ نہ آپ طلب رزق کی اجازت دیتے ہین - اور نہ متوکّل ہو کے بیٹھ رہنے کی۔" فرمایا "بس یہی کرو کہ تدبیر کو چھوڑ دو۔"[۱]

مسلمانون کو خاصۃً اِن دنون جس قدر اِس مسئلہ کے سمجھنے کی ضرورت ہے کسی چیز کی نہین - اِس لیے کہ تدبیر و تقدیر کے پیچیدہ مسئلے نے عام مسلمانون کو غلطیون مین مبتلا کر کے گمراہ کر دیا ہے - ایک طرف تقدیر کے ماننے والے ہین جنھون نے محنت و مشقت کو بے نتیجہ بتا کے عقیدۂ جبر اختیار کر لیا ہے - اور سارے مسلمانون کو کاہل اور ناکارہ بحت بنا دینا چاہتے ہین - دوسری طرف اُن کی ضد پر انگریزی دانون کا نیا گروہ ہے جو روز بروز تقدیرِ الٰہی سے انکار کرتا جاتا ہے - مگر سچ یہ ہے کہ دونون گمراہ ہین - کیونکہ پہلا فریق خدا کو ملزم بنائے دیتا ہے اور دوسرا اُس کی خدائی اور قدرت و قوت مین بٹہ لگا رہا ہے - یہ دونون گروہ اگر حضرت جنید کے اِس فیصلے کو غور سے دیکھین اور سمجھین تو پوری طرح اطمینان ہو جائے - تقدیر سے انکار کرنے کے معنے اصل مین خدا سے انکار کرنے کے ہین - اِس لیے کہ مذہبِ اسلام جس خدا کی تلقین کرتا ہے وہ قادرِ مطلق ہوتا اور ہر چیز پر حاکم و متصرف ہے - اور ایسے ہی خدا کی ہر مذہب کو ضرورت ہے - اگر ہم نے ایک برائے نام خدا تو مان لیا مگر وہ ایسا خدا ہوا جو اپنے افعال و حرکات پر قابو نہین رکھتا - ہر چیز اُس سے اضطراری طریقے سے بے ارادہ

[۱] عوارف المعارف - شیخ شہاب الدین سہروردی

ومشیّت صادر ہو جاتی ہے اور وہ دنیا پر قادر و متصرف نہین تو ایسے خدا کے ماننے سے نہ ماننا ہی اچھا - کیونکہ ایسے خدا سے ہم نہ کوئی اخلاقی نفع اُٹھا سکتے ہین نہ رُوحانی نہ وہ دُنیا کے کام کا ہے نہ عقبیٰ کے کام کا - لہذا اگر خدا کو ماننا ہے تو قادر و توانا خدا ماننا چاہیے اور اگر ایسا کوئی خدا اِس عالم پر متصرف ہے تو یقین کر لینا چاہیے کہ تقدیر بھی ضرور ہے - لیکن اُس تقدیر کا یہ منشا ہرگز نہین ہونا چاہیے کہ ہم پست ہمتی اور کاہلی کے شکار بن جائین - ہاتھ پاؤن توڑ کے بیٹھ رہین - اور منتظر ہون کہ وہ چھپّر پھاڑ کے دے گا - اگر ایسا ہوتا تو صحابۂ کرام بارگاہ نبوت مین حاضر رہنے کے سوا کسی کام اور کسی پیشہ مین مشغول نہ ہوتے - نہ جہاد کرتے - نہ زکوٰۃ دیتے - اور نہ حج کرتے - بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ عبادت الٰہی بھی نہ کرتے - اور کوئی نماز پڑھنے کو کہتا تو جواب دیتے کہ "اگر قسمت مین نجات ہے تو ہو ہی جائے گی - اِس بیکار و بے نتیجہ زحمت و مشقت کی کیا ضرورت ہے؟" اصل حقیقت یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھو تو کیش و مذہب بھی صرف تدبیر کا نام ہے - فرق ہے تو اِس قدر کہ یہ تدبیر دُنیا کے لیے نہین بلکہ دین کے لیے ہے - مگر ہے تدبیر ہی -

مذہبی شان سے سچائی کے ساتھ اِس مسئلے کی حقیقت یہ ہے کہ تقدیر نام ہے ترکِ تدبیر یعنی تدبیر پر بھروسا نہ کرنے کا - اور تدبیر نام ہے اپنی کوششون اور عبادتون کو زہد و تقوی کے ساتھ خدا کے سامنے پیش کرنے کا - اِسی بات کو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ ظاہر فرما دیا - نہ تو اُس توکّل کو پسند فرمایا جس کے ذریعے سے خدا کا امتحان لیا جائے - اور نہ اُس تدبیر کو جائز رکھا جس پر خدا کی طرف سے بے پروا ہو کے بھروسا کر لیا جائے -

لیکن باوجود اس مرجعیت عامہ کے آپ کے اخلاق وعادات مین کبھی فرق نہ آتا تھا۔ ابو محمد حریری حج سے واپس آے تو گھر جانے سے پہلے آپ کے سلام کو حاضر ہوئے اور دل مین کہا کہ پہلے جنید کی زیارت کرلون پھر کوئی اور کام کرون گا۔ اِس مین یہ بھی خیال تھا کہ میرے آنے کی خبر سُن کے خود اُنھین آنے کی زحمت کرنا پڑے گی لہذا میرے ہی پہلے پہونچ جانے سے وہ اس زحمت سے بچ جائین گے۔ غرض اُن سے ملے اور رخصت ہو کے اپنے گھر آئے۔ دوسرے دن کیا دیکھتے ہین کہ جنید ملنے کو چلے آتے ہین۔ ادب سے عرض کیا " حضرت آپ نے کیون تکلیف کی؟ اسی خیال سے تو مین پہلے حاضر ہوا تھا کہ آپ کو نہ تکلیف کرنی پڑے "۔ فرمایا " ابو محمد آنے مین سبقت کرنا یہ تمھارا فعل تھا اور تمھاری شرافت نفس اِس سے ظاہر ہوئی۔ مگر یہ میرا آنا میرا فعل ہے۔ اور تمھارے اُس (اخلاقی) حق کا ادا کرنا ہے جو مجھ پر واجب ہے۔ تمھارے پہلے آنے سے یہ حق مجھ پر سے ساقط نہین ہو گیا تھا "[۵]

دیندار اہل دل اور ہم مذاق صاحبان معرفت کی صحبت مین آپ کو ہمیشہ دلچسپی ہی تھی بلکہ اُسے منجملۂ ضروریات خیال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اہل اللہ سے ملنے جلنے کی ضرورت کو آپ اِن دلچسپ اور منکسرانہ الفاظ مین اپنے اہل ذوق دوستون پر ظاہر فرمایا کرتے تھے "اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میری دو رکعتین زیادہ ہین تو پھر تم سے ملنے اور تمھاری صحبت مین بیٹھنے کو نہ آتا "[۶]

لیکن اہل حق کی صحبت سے جتنا ذوق تھا اُتنی ہی ناجنس اور خلاف مذاق لوگون کی صحبت سے وحشت ہوتی تھی۔ اور پسند نہ کرتے تھے کہ ایسے بے حس

ع۵ رسالۂ قشیریہ۔ ع۶ عوارف المعارف۔ شہاب الدین سہروردی۔

لوگون کو اپنی صحبت مین شریک کرین - ایک دعوت مین عجیب واقعہ پیش آیا - کسی ہم مذاق نے دعوت کی تھی - اور مختلف لوگ شریک تھے - آپ نے اُس کے گھر مین جیسے ہی قدم رکھا ایک ناجنس شخص کو دیکھ کے اپنے پاس بُلایا - جب وہ آیا تو اپنی چادر اُتار کے دی اور فرمایا "اِسے لیجا کے رہن رکھو - اور جو روپیہ ملے اُس کی دو من (یہ اُس زمانہ کا ایک وزن تھا جو ہمارے یہان کے وزن سے بہت ہی چھوٹا تھا) شکر لے آؤ" اُس نے کہا بہت خوب - اور چادر لے کے گھر سے باہر نکلا - اُس کے باہر ہوتے ہی آپ نے لپک کے دروازہ بند کر لیا - اور اُس سے پکار کے کہا "اجی سنتے ہو - یہ چادر تمھین کو دے ڈالی - لیجاؤ - مگر خبردار پھر یہان نہ آنا" لوگون نے تعجب سے اِس کا سبب پوچھا تو فرمایا "مین نے چادر دے کے فارغ البالی حاصل کر لی - اور آج کی رات صحبت کو اغیار سے خالی کر لیا"[1]

آداب صحبت کا بھی بہت کچھ پاس و لحاظ رہتا تھا - بعض طالب علمانہ مذاق کے لوگون کا معمول ہے کہ چھیڑ چھاڑ اور نکتہ چینی سے پیش آیا کرتے ہین - اِس کو آپ بالکل ناپسند کرتے تھے - چنانچہ لوگون کو نصیحت کیا کرتے کہ "تم فقیر سے ملو تو نرمی سے ملو علم سے نہ ملو اِس لیے کہ نرمی سے فقیر مانوس ہوتا ہے اور علم اُس مین وحشت پیدا کر دیتا ہے" بظاہر اِس پر لوگون کو اعتراض ہوگا - چنانچہ مرتعش جو صحبت مین شریک تھے یہ نصیحت سُن کے چونک پڑے - اور پوچھا "ابو القاسم - ایسے بھی فقیر ہوتے ہین جنھین علم سے وحشت ہوتی ہو؟" فرمایا "ہان ہوتے ہین - فقیر جب اپنے فقر مین سچا ہو اور تم اُس پر اپنے علم کا بار ڈال دو تو وہ اِس طرح گھل جاتا ہے جس طرح رانگا آگ مین پگھلتا ہے"[2]

---

[1] روض الریاحین - [2] رسالۂ قشیریہ -

چنانچہ آپ بھی چونکہ فقر و ولایت میں سچے تھے مخالفت کی زیادہ تاب نہ لا سکتے تھے۔
چون وچرا کرنے والے زیادہ کٹھ حجتی کرتے تو آپ نہایت پریشان ہو جاتے۔ اور جب
دیکھتے کہ اپنی فضول گوئی سے باز ہی نہیں آتے اور نہ سمجھانے سے سمجھتے ہیں تو جھنجلا
اُٹھتے۔ ایک مرید نے ایک دن کچھ سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ اُس نے آپ کے
جواب پر اعتراض کیا۔ اور ایسا اعتراض جس سے بے عقلی اور ذوق حقیقت سے دور
ہونے کی بو آتی تھی۔ فرمانے لگے "سنو اگر تمھیں میری بات کا یقین نہیں۔ اور میرے
جواب سے اطمینان نہیں ہوتا تو پھر میری صحبت میں کیوں آتے ہو؟"[1]

اِس نازک دماغی کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے خدام اور گھر کے کام کرنے والے
بھی صاحب باطن اور خلعت ولایت سے ممتاز تھے۔ ابو عمرو زجاج نے کچھ دنوں خدمت
کی تھی اُن کا اعلیٰ مرتبۂ کمال پر پہنچ جانا اہل سیر و تاریخ میں مشہور ہے۔ آپ کی
ایک خادمہ تھی زیتونہ جس نے ابوالحسین نوری کی بھی خدمت کی تھی۔ اور نوری
نے اُس نیکبخت کی شان میں ارشاد فرمایا "زیتونہ ایک ولیہ ہے اولیاء اللہ میں سے"[2]

مشائخ صوفیہ پر سب سے بڑا اعتراض اہل ظاہر کا یہ ہے کہ یہ لوگ پیرو سنت
نہیں۔ بلکہ دیگر قوموں کے راہبات اور اُن کے طریقۂ ریاضت و نفس کُشی کو اختیار
کرتے ہیں۔ لیکن دیکھنا چاہیے کہ اِن بزرگوں نے یونانیوں یا دیگر اقوام کی رہبانیت
سے اُسی قدر فائدہ اُٹھایا جس قدر علمائے ظاہر نے مبتدع مسائل نحو و صرف اور
یونانیوں کی منطق و فلسفہ سے اُٹھایا تھا یا اعتدال کی حد سے گزر کے دیگر اقوام
کے مرتاضوں کی طرح پورے راہب اور جوگی بن گئے۔ جہاں تک صوفیۂ سلف کے

---

[1] عوارف المعارف۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ [2] نفحات الانس۔ [3] رسالۂ قشیریہ

حالات سے پتہ لگایا جا سکتا ہے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ پورے اعتدال پر قائم تھے اور
دُنیا کو اُسی حد تک چھوڑا تھا جہان تک کہ اسلام نا جائز و مضر بتا کے چھڑاتا ہے۔ جوگ
اور رہبانیت کی اُن مین کوئی شان نہ تھی۔ اِس سے زیادہ کیا ہو گا کہ خود سید الطائفہ جنید
بغدادی نے جو صوفیۂ متاخرین کے لیے بہت اعلیٰ درجے کی نظیر ہین بہ پابندیِ سنت نبوی
شادی کی۔ متاہل بنے۔ اور دیگر مشائخ جب وارد بغداد ہوتے تھے تو ان کے اور ان کے
دوستون کے لیے اعلیٰ درجے کی لطیف و لذیذ غذائین بھی پکوا کے اکثر پیش کیا کرتے تھے۔

ابوبکر شبلی جو بڑے اعلیٰ درجے کے اہل دل اولیاء اللہ اور صاحب ذوق
بزرگون مین ہین حضرت جنید کے مرید اور آپ کے گلشن عرفان کے گل چینون مین
تھے۔ اُن کے جوش و خروش اور غلبۂ حال کا ابتدائی زمانہ تھا کہ ایک دن مئے وحدت
کے نشے مین چُور رستانہ وضع سے مرشد کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ جناب جنید کی بی بی
عارفِ زمانہ شوہر کے پاس بیٹھی ہوئی تھین۔ ایک نا محرم مرید کو آتے دیکھ کے ارادہ
کیا کہ اُٹھ کے پردے مین چھپ جائین۔ مگر جنید نے روکا اور فرمایا "کہان جاتی ہو؟
شبلی اِس وقت اپنے آپے مین نہین۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ یہان موجود ہین۔ وہ تو غائب
ہین۔ اور عالم باطن کی سیر کر رہے ہین۔ ایسی حالت مین تمھین چھپنے کی ضرورت
نہین" شوہر کی زبان سے یہ کلمات سُن کے بیچاری اُٹھتے اُٹھتے پھر بیٹھ گئین۔
اور شبلی اندر آ گئے۔ جن سے جنید سے کچھ باتین ہوتی رہین۔ اثنائے گفتگو مین شبلی
پر یکایک پھر ایک حالت طاری ہوئی۔ اور رنگ متغیر ہونے لگا۔ یہ حالت دیکھتے
ہی جنید نے بی بی سے فرمایا "تمھارے چھپنے کا وقت آ گیا۔ کیونکہ اب شبلی
عالم باطن سے ظاہر کی طرف آ رہے ہین۔ لہذا تم اُٹھ کے پردے مین چلی جاؤ"۔

وہ اُٹھ کے چلی گئیں۔ اور شبلی پھر اسی عالم ظاہر میں تھے۔[1]

حضرت جنید کی مزاجی کیفیت یہ تھی کہ بہت کچھ رُکے تھے رہتے۔ اور زہد وعبادت نے بہت زیادہ متانت پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ مرتعش کہا کرتے تھے کہ ابو سعید خراز میں کسی قدر تنگ ہونا چاہیے کیونکہ اتنے تیز جاتے ہیں کہ کوئی ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسی طرح واسطی میں تھوڑی سی نرم دلی ہونی چاہیے۔ اور جنید میں تھوڑی سی تیزی۔[2]

سماع اور صحبت حال وقال

آج کل کے معیار شرع سے یہی ایک ایسی چیز ہے جس کے اعتبار سے جنید اور اُن کے ہم مذاق وہم صحبت اہل ذوق پر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ ہم کو یہ نہیں معلوم کہ جو نغمہ آپ کی صحبت عرفان میں گایا جاتا تھا اُس کے ساتھ مزامیر یعنی ساز بھی ہوتا تھا یا نہیں۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی صحبت کے غناء کے ساتھ کسی قسم کا ساز نہ ہوتا تھا۔ صرف ایک قسم کی شعرخوانی تھی جس میں دل پر اثر کرنے والے قصائد خوش گلوئی سے سُنائے جاتے تھے۔ جنھیں سُن کے ان بزرگوں پر ایک وجد کا عالم طاری ہوتا۔ اور اکثر جوش وخروش سے اُٹھ کے حرکات مضطربانہ کرتے۔

ہمیں علما سے فتویٰ لینے کی ضرورت نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ خود جنید بغدادی سماع کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ آپ کا قول تھا کہ فقیروں کے اوپر تین موقعوں پر رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ (۱) سماع میں یعنی گانا سُنتے وقت۔ اس لیے کہ اُس وقت وہ سوا

[1] عوارف۔ [2] نفحات الانس۔

حق کی آواز کے کچھ نہین سنتے ہین - اور جو کچھ اُن کی زبان سے نکلتا ہے عالمِ وجد مین نکلتا ہے - (۲) کھانا کھاتے وقت - اِس لیے کہ معمولاً وہ جب ہی کھاتے ہین جب فاقہ ہو چکتا ہے - (۳) اور علم کا چشمۂ فیض جاری کرتے وقت - اِس لیے کہ وہ سوا اولیاء اللہ کی صفتون کے اور کچھ نہین بیان کرتے"؎ یہ بھی آپ نے فرمایا کہ "سماع تین چیزون کا محتاج ہے - زمان کا - مکان کا - اور اخوان کا" یعنی زمانہ اور جگہ بھی مناسب حال ہو اور اہلِ صحبت بھی اچھے ہون - لیکن سماع کی یہ خوبیان بیان کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "سماع اُس شخص کے لیے فتنہ ہے جو اُس کی تلاش مین رہتا ہو - اور اُس کے لیے ترویح ہے جو اُس کی مزاحمت کرے"؎ کوہ سینا کے دامن مین آپ کی صحبت حالی وقال نے جو اثر ڈالا اور جس طرح ایک مسیحی راہب کو مے وحدتِ اسلامی سے سیراب کیا - اُس کا حال ہم پیشتر بیان کر چکے ہین - لیکن معتبر بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ آخر عمر مین آپ سماع سے محترز ہو گئے تھے جس کا سبب یہ بتاتے تھے کہ ہم مذاق سننے والے نہین رہے؎ - مگر آدابِ شریعت کے لحاظ سے گانا سننے کے زمانے مین بھی آپ حد سے گزری ہوئی بے اعتدالیون کو بالکل ناپسند فرماتے تھے - اور نہ حد سے گزرے ہوئے جوش وخروش کو جائز رکھتے تھے - آپ کی صحبت مین ایک صاحبِ دل نوجوان تھا سماع کے وقت اُس کے جذباتِ روحانی مین جوش پیدا ہوتا تو بیتاب و بے قرار ہو کے نعرہ و شور سے چیخ اُٹھتا - جنید نے اِس بے ضبطی کو اپنی صحبت و ذوق کے آداب و وقار کے خلاف خیال فرما کے کہا "تمھین ضبط کرنا چاہیے - اور اگر ضبط نہین ہو سکتا تو ہماری صحبت سے چلے جاؤ - ہم ایسے بے صبر ہو جانے والون کو اپنے پاس نہین رکھنا چاہتے"

؎ رسالۂ قشیریہ - ؎ عوارف المعارف -

بھلا ایک صاحب ذوق سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ جنید کی صحبت چھوڑ کے چلا جاتا؟ مگر ہان اُس نے ضبط سے کام لینا شروع کیا۔ اور دل مین ٹھان لی کہ چاہے دم نکل جائے مگر زبان سے اُف نہ نکلے گی۔ اب اکثر یہ ہوتا کہ اُس کے ہر بُن مو سے پسینہ جاری ہو جاتا اور خاموش بیٹھا رہتا۔ ایک دن جوش دردنی ضبط کی حد سے گزر گیا۔ اور چیخنے سے حضرت شیخ نے منع فرمایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیٹھے بیٹھے اختیار سے باہر ہو کے ایک نعرہ مارا اور اُس چیخ کے ساتھ ہی دم نکل گیا۔[1]

ابو محمد جریری جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے تھے جنید کی ایک صحبت سماع کا حال بیان کرتے ہین کہ وہ تھے، مین تھا۔ ابن مسروق وغیرہ تھے۔ اور قوال نغمۂ دلکش گا رہے تھے۔ مسروق وغیرہ وجد مین آ کے اُٹھ کھڑے ہوے۔ مگر جنید بدستور خاموش بیٹھے تھے۔ مین نے پوچھا "سماع کا حضرت پر کچھ اثر نہین ہوا؟" فرمایا "پہاڑون کو دیکھتے ہو؟ بادلون کی طرح اُڑتے پھرتے ہین۔" پھر اُنھون نے مجھ سے پوچھا "اور تمھاری کیا حالت ہے؟" مین نے عرض کیا "میرا تو معمول ہے کہ جب سماع کی صحبت مین شریک ہوتا ہون۔ اور اُس صحبت مین کوئی محتشم (ذی مرتبے پائے کا) بزرگ ہوتا ہے تو اپنی طبیعت کو روکے رہتا ہون۔ پھر اُن کے بعد جب گھر مین جا کے خلوت کا موقع پاتا ہون تو اپنے اوپر وجد کی حالت طاری کر لیتا ہون۔"[1]

اِس اختیاری کیفیت کو صوفیہ اپنی اصطلاح مین تواجد کہتے ہین۔ اور جنید نے اِس موقع پر چونکہ نہ اُسے مستبعد جانا اور نہ اُس سے انکار کیا تو سمجھنا چاہیے کہ ایسا اختیار ممکن ہے۔ لیکن یہ اہل دل کی باتین ہین ہمین اُن سے علاقہ نہین۔ ہم تو یہ دیکھتے ہین کہ جنید بغدادی کو عالم وجد و بیخودی مین بھی صحبت کے آداب کا کس قدر

---

[1] عوارف شیخ شہاب الدین سہروردی و رسالۂ قشیریہ۔

لحاظ رہتا تھا۔ نہ کبھی خود آپ بیچ وہو کے اٹھ کھڑا ہونا پسند کرتے تھے۔ اور نہ اپنے مخصوص مریدین کے لیے ایسی از خود رفتگی کو جائز رکھتے تھے۔

تعلیم اور طرز تعلیم

جنید اپنے مریدون اور شاگردون کو جس قسم کی تعلیم دیتے تھے اُس کے اصول خود اُنھین کی تعلیم کے حالات سے معلوم ہو سکتے ہین۔ ہم اُن کا یہ قول بیان کر آئے ہین کہ بھوکے پیاسے رہ کے دنیا کو ترک کر کے۔ اور جن چیزون کو دل چاہتا تھا اُن سے علٰحدگی اختیار کر کے ہم نے علم تصوف حاصل کیا"۔ لہذا اسی قسم کی تعلیم آپ اپنے مریدون کو بھی دیتے ہون گے۔ ابوبکر شبلی سے جیسی جیسی ریاضتین آپ نے کرائین اور جس جفاکشی مین مبتلا کر کے اُنھین نفس کُشی کا سبق دیا اُس کا تذکرہ شبلی ہی کے حالات مین زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مگر باوجود اُن خاص قسم کی ریاضتون کے سب سے زیادہ اہتمام آپ کو پابندی دین اور پیروی سنت نبوی صلعم کا رہا کرتا تھا۔ آپ کا قول تھا کہ "جو حافظ قرآن نہین اور جس نے حدیثین نہین لکھین اُس کی پیروی من حیث الذین نہ کی جائے کیونکہ ہمارا یہ علم کتاب وسنت مین مقید ہے"۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ "سوا حضرت رسالت صلعم کے نقش قدم پر چلنے کے خلقت پر تمام راستہ بند ہین[۱]"۔

اِن پابندیون کی تصریح فرما دینے کے بعد علم باطن کے طالب علم یعنی مرید کی

---

[۱] تلبیس ابلیس۔ لابن جوزی۔

نسبت آپ تحصیل علم باطن کا یہ اصول ارشاد فرماتے ہین :- سچے مرید کو علما کے علم کی ضرورت نہین - اور جب مرید کے ساتھ اللہ جل شانہ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اُسے صوفیہ کی طرف رجوع کرتا اور پڑھنے والون کی صحبت سے باز رکھتا ہے ؏

اصطلاح اہل باطن مین مرید اُس شخص کو کہتے ہین جو معرفت الٰہی کا خواستگار ہو اور اس کے مقابل مراد اُسے کہتے ہین جس کی طرف معرفت خود ہی متوجہ ہو - اور جس کا سینہ انکشافات باطنی کا مورد بن جاسے - ان دونون کی نسبت آپ فرماتے ہین - مراد اور مرید مین جو فرق بیان کیا جاتا ہے اُس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ دراصل ہر مرید مراد ہے - اس لیے کہ اللہ جل شانہ اگر نہ چاہتا کہ مرید اُس کی ذات بے ہمتا کا ارادہ کرے تو مرید مرید ہی نہ ہوتا - کیونکہ وہی ہوتا ہے جو حضرت رب العزت چاہتا ہے - لہذا ہر مرید مراد یعنی خدا کا ارادہ کیا گیا ہے - مگر اس کے ساتھ ہی ہر مراد مرید بھی ہے - اس لیے کہ اللہ سبحانہ جب اُس کے لیے خصوصیت کا ارادہ کرتا یعنی اُسے اپنا مراد بناتا ہے تو اُسے ارادے کی توفیق دیتا ہے - اور یون وہی جو مراد تھا مرید بن جاتا ہے - لیکن لوگون نے مراد اور مرید مین فرق پیدا کر دیا ہے - اُن کے نزدیک مرید مکتب علم ربانی کا مبتدی ہے اور مراد منتہی - مرید وہ ہے جو تکلیفات سے قائم ہو اور مشقتون کی آزمائش گاہ مین ڈال دیا گیا ہو - اور مراد وہ ہے جس کا مقصد بغیر مشقت کے حاصل ہو جاتا ہو - اس لیے یون سمجھنا چاہیے کہ مرید تکلیف اُٹھانے والا ہے - اور مراد وہ ہے جس کے ساتھ نرمی کی گئی اور خوش حالی مین ہے - طالبان معرفت کے ساتھ اللہ جل شانہ کا معمول مختلف رہا کرتا ہے - اکثرون کو مجاہدۂ نفس کی

؎ طبقات کبریٰ للشعرانی -

توفیق دی جاتی ہے۔ اور ان مراحل کے طے کرنے کے بعد وہ اعلیٰ مدارج کو پہونچتے ہین یعنی پہلے مرید ہوتے اور پھر مراد بنتے ہین۔ مگر اس کے خلاف بہت سے طالبان معرفت کو ابتدا ہی مین اعلیٰ معانی کا مکاشفہ ہو جاتا ہے۔ اور اُس درجے کو پہونچ جاتے ہین جہان تک اکثر ریاضت کرنے والون کی بھی رسائی نہین ہوتی یعنی ابتدا ہی سے مراد بن جاتے ہین۔ لیکن اس قسم کے لوگون مین سے اکثر کا یہ حال ہوتا ہے کہ مرادیت کی اُس نرمی کے بعد پھر مجاہدۂ نفس کی محنتون مین مشغول کیے جاتے ہین۔ تاکہ اہل ریاضت کی جو حالت اُن سے چھوٹ گئی تھی اُسکی بھی تکمیل ہو جائے۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگون کو مرادیت کے رتبۂ اعلیٰ پر پہونچ جانے کے بعد مریدی کا درجہ طے کرنا پڑتا ہے۔[1]

علم باطن کی تعلیم اس وقت تک نہایت رازداری کے ساتھ اور خفیہ طریقون سے ہوا کرتی تھی۔ جس کا اصلی سبب تو یہ تھا کہ ان مسائل کو علم سے نہین عمل سے اور جلوت سے نہین خلوت سے تعلق تھا۔ اور یہ ایسے امور تھے جو بتائے نہ جا سکتے تھے بلکہ خلوت کی یکسوئی مین ایک پُرنور دل کا عکس اُس دوسرے دل پر ڈالا جاتا تھا جو دنیوی زنگ اور معاصی کے دھبون سے پاک و صاف کر لیا گیا ہو۔ بعینہٖ اُس طرح جیسے کہ آفتاب کی ضوء سے ماہتاب اور دیگر کواکب جگمگا اُٹھتے ہین۔ اور سورج کی شعاعین ہوا کے ذرّات ارضی کو چمکایا کرتی ہین۔ لیکن قطع نظر اِس کے کہ اس فن الٰہی کی تعلیم علی رؤس الاشہاد نہین ہو سکتی اُن دنون پولٹیکل مصالح بھی اس امر کے متقاضی تھے کہ جہان تک ممکن ہو رازداری و اخفاء کی کوشش کی جائے۔ ہم بتا آئے ہین کہ آپ

[1] رسالۂ قشیریہ۔ ۱۲۲

بکس طرح مکان کا دروازہ بند کرکے اور اُس مین قفل ڈال کے تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور جب آپ کے مرید باخلاص ابوبکر شبلی نے لوگون کو عام طور پر اور علانیہ تعلیم باطنی دینی شروع کر دی تو آپ نے فرمایا "ہم اِس علم کو تہ خانون اور گھرون مین چھپ کے بیان کیا کرتے تھے مگر شبلی نے اسے بر سر منبر بیان کیا اور خلقت پر عام طور سے آشکارا کر دیا۔ عہ"

آپ اکثر اُنھین اِس بے احتیاطی سے منع کرتے اور روکتے بھی تھے۔ فرماتے "اللہ تعالیٰ کا راز مجوبون پر فاش نہ کیا کرو" نیز کہا کرتے تھے کہ "فقیر کو مناسب نہین ہے کہ توحید خالص کی کتابین سوا اہل طریقت کی تصدیق کرنے والون یا اُن کے معتقدون کے اور کسی کے سامنے پڑھے۔ ورنہ اندیشہ ہو کہ منکرین کسی عذاب مین نہ مبتلا ہو جائین۔ عہ" اس سے معلوم ہوتا ہو کہ اِس اخفا مین صرف اپنی ہی مضرت کا اندیشہ نہ تھا بلکہ اِس بات کا خوف بھی مدنظر تھا کہ کوئی گستاخی کرکے بارگاہ الٰہی سے مورد غضب نہ بن جائے۔ اور نقصان نہ اُٹھائے۔

مگر شبلی کی یہ حالت تھی کہ اکثر ایک مدہوشی کا عالم طاری رہتا۔ اور اِس کا خیال بھی نہ رہتا کہ کون بیٹھا ہے اور کون کس خیال و مذاق کا ہے۔ ایک دن دریائے وحدت مین ڈوبے ہوے اور عشق الٰہی سے بیتاب و بے قرار عجب مستانہ وضع سے اپنے مرشد حضرت جنید کی خدمت مین حاضر ہوے۔ سامنے آکے ادب سے کھڑے ہو گئے اور انتہا درجے کی بیتابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور جوش و خروش سے یہ اشعار پڑھے:۔

عودوني الوصال والوصل عذب ۔۔۔ ورموني بالصد والصد صعب

عہ نفحات الانس جامی۔ عہ طبقات کبریٰ للشعرانی۔

مجھے وصل کا عادی بنایا اور وصل شیرین ہے۔ اور روگردانی سے مجھے زخمی کیا۔ اور روگردانی بڑی دشوار چیز ہے۔

زَعَمُوا حِینَ اَزمعوا اَنَّ ذَنبی فَرطُ حُبّی لہم وَمَاذَاکَ ذَنبُ

مجھے زخمی کرنے کا ارادہ کرتے وقت وہ سمجھے کہ میرا گناہ یہی ہے کہ مجھے اُن سے زیادہ محبت ہے۔ حالانکہ یہ کوئی گناہ کی بات نہین۔

لا وحقِّ الخضوعِ عندَ التّلاقی ماجزا من یحبُّ الّا یُحبّ

اُس فروتنی کی قسم جو وصال کے وقت ہوا کرتی ہو محبت کرنے والے کی سزا یہ نہین ہے کہ محبت ہی نہ کرے۔

یہ اشعار سن کے حضرت جنید نے بھی بیتابی کے ساتھ یہ پُرجوش و پرحسرت شعر پڑھ دیا۔

وَتَمَنَّیتُ اَن اَراکَ فلمّا رَاَیتُکَا غَلَبَت وہشۃُ السّرورِ فَلَم اُملِکِ البُکَا

اور مجھے تیرے دیکھنے کی تمنا تھی لیکن جب تجھے دیکھا تو مسرت کی حیرت اس قدر طاری ہوئی کہ جوشش گریہ نہ روک سکا۔ؔ

بہر تقدیر شبلی کے مُنہ سے جوش مستی مین چاہے کچھ نکل جاے لیکن حضرت جنید کی عالی ظرفی و متانت نے اس بات کو کبھی جائز نہ رکھا کہ رموز باطنی سے نااہلون کے کان آشنا ہون۔ ابوبکر کسائی اُس دور کے مشہور اہل اللہ گزرے ہین۔ آپ حضرت جنید کے پُرانے رفیق اور دوست تھے۔ اور باہمی لطف و محبت کے ساتھ اس قدر ہم مذاقی تھی کہ جنید کہا کرتے تھےؔ اگر ابوبکر کسائی نہ ہوتے تو مین بھی بغداد مین نہ ہوتا۔ آپ سے

ع۔ وفیات الاعیان لابن خلکان۔

اُن سے اکثر مراسلت رہا کرتی تھی۔ اور جنید خط و کتابت کے ذریعے سے اُنھیں اکثر رموز باطن بتایا کرتے۔ اُنھون نے ایک مرتبہ جنید بغدادی سے ہزار مسئلے پوچھے تھے۔ اور آپ نے اُن سب سوالون کے تسلی بخش جواب تحریر فرمائے تھے۔ آخر کسائی نے حضرت جنید کی زندگی ہی مین انتقال فرمایا۔ اور جب نزع کا عالم طاری ہوا تو اُن تمام سوالون اور جوابون کو پانی سے دُھلوا کے مٹا دیا جب اُن کی وفات کی خبر جنید کو پہونچی تو سنتے ہی فرمایا "کاش اُنھون نے میرے لکھے ہوئے اُن مسائل کو مرنے سے پہلے محو کر دیا ہوتا" لوگون نے عرض کیا "جی ہان اُنھون نے اُن سب کو دُھلوا ڈالا" یہ خاطر خواہ جواب سُن کے آپ بہت خوش ہوئے۔

بعض اوقات آپ ان رموز باطنی کا اخفا ایسی خوبصورتی سے کرتے کہ جن لوگون سے اخفا کیا جاتا اُن کے دل مین بجاے وحشت و نفرت کے اُنس و عقیدت کی روشنی چمک اُٹھتی۔ عبداللہ بن سعید نے جب اپنی وہ کتاب تصنیف کی جس مین تمام مذہبون کے حالات بیان کر کے اُن کی تردید کی تھی تو اُس کی تدوین و ترتیب کے بعد پوچھا کوئی فریق باقی تو نہین رہا؟ لوگون نے کہا "جی ہان ایک گروہ باقی ہے جو صوفی کہلاتا ہے" پوچھا "اُن کا امام اور پیشوا کون ہے؟" لوگون نے بتایا "ابوالقاسم جنید" یہ پتہ معلوم ہوتے ہی اُنھون نے جنید کو خط بھیج کے آپ کے مذہب و عقائد کی حقیقت دریافت کی۔ آپ نے جواب مین تحریر فرمایا "ہمارا مذہب یہ ہے کہ قدامت کو حدوث سے علٰحدہ اور منزہ کرین۔ بھائیون اور وطنون کو چھوڑ دین۔ اور جو کچھ ہوا ہے اور ہو گا سب بھول جائین" ابن سعید یہ جواب دیکھ کے متحیر ہو گئے۔ اور کہا "یہ تو ایسا کلام ہے جس مین مناظرے کو

---

۵ نفحات الانس۔ جامی۔

دخل نہین۔" پھر خود جنید کی صحبت مین حاضر ہوئے۔ اور توحید کا حال پوچھا۔ آپ نے اسرارِ حکمتِ ربّانی اُن کے سامنے ایسے الفاظ مین بیان فرمائے کہ اُن کے دماغ مین محفوظ نہ رہ سکے۔ عرض کیا "مین آپ کی تقریر کو یاد نہین رکھ سکا۔ پھر فرمایئے۔" آپ نے آپ کی وہ رموز دوسرے الفاظ مین فرمائے۔ اور اب بھی ابن سعید نے غور کیا تو اُن خیالات کو جو سُنے تھے زبان سے ادا نہ کرسکتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ جنید کے فضل وکمال کے معترف ہوگئے۔ اور پھر اُن کے عقائد پر کوئی اعتراض نہین کیا۔

مذکورۂ سابق امور کے علاوہ کبھی اخفاے راز کا یہ سبب بھی ہوا کرتا تھا کہ بعض صاحب کمال اہل باطن کی ظاہری حالت ایسی ہوتی کہ ایک نئے مرید کے لیے اُن کی طرف سے بدظن ہوجانے کا اندیشہ ہوتا۔ اُن دنون ابو محمد رُویم ابن احمد نام ایک مشہور پُرانے بزرگ تھے جو تھے تو جنید کے احباب واصحاب مین مگر دور عقیدت سے اپنے آپ کو اُن کا مرید اور شاگرد ظاہر کیا کرتے۔ اتفاقاً ابو عمرو زجاج جب جنید کے حلقہ بگوشون مین شامل ہوئے اور شب و روز اُن کی خدمت مین حاضر رہنے لگے تو جُنید نے اُنھین منع کیا کہ خبردار تم رُویم کے پاس نہ جانا۔" زجاج نے آخر تک اِس حکم پر عمل کیا۔ لیکن جب بغداد سے جانے کا وقت آیا تو دل مین یہ خیال پیدا ہوا کہ بغداد مین رہ کے رویم سے نہ ملنا بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔ لوگ اگر پوچھین گے کہ تم نے رویم کی زیارت نہ کی تو کیا جواب دون گا؟ آخر ایک دن چھپ کے چلے ہی گئے۔ دیکھا کہ رویم مسند پر امیرانہ ٹھاٹھ سے بیٹھے ہین۔ اور جب عوام کا مجمع چھنٹ گیا تو اُن کے پاس ایک نہایت ہی حسین و نازنین لونڈی آئی جو اُنھین کی

ع۵ مرآۃ الجنان یافعی۔

ملک تھی۔ خیر کچھ باتین ہوئین - اور اُس کے بعد چلے آئے۔ کسی نے اِس واقعہ کی خبر حضرت جنید کو بھی پہونچا دی۔ زجاج کو بُلا کے پوچھا "تم نے رویم کو کیسا پایا؟" عرض کیا "نہایت بزرگ" سُن کے بولے "الحمد للہ! مجھے یہی اندیشہ تھا کہ تمہارے دل مین سوءظن نہ پیدا ہو"[1]

سری سقطی کی طرح آپ کی تعلیمین بھی اکثر اخلاقی صحبتون اور باتون مین ہوا کرتی تھین مثلاً اپنے مرید خاص ابوبکر شبلی کو جس وضع و شان سے تزکیۂ نفس و صفائے باطن کی تعلیم دیا کرتے تھے اُس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایک دن کسی بات پر شبلی کی زبان سے "لاحول ولا قوۃ" کا کلمہ نکل گیا۔ سنتے ہی جنید نے ٹوکا اور فرمایا "ذا من ضیق الصدر۔ وضیق الصدر من ترک الرضاء بالقضاء؟" مطلب یہ کہ یہ تو سینے کی تنگی یعنی کسی بات پر تنگ آجانے کا نتیجہ ہے۔ اور تنگ آجانے کا منشا یہ ہے کہ گویا راضی برضا ہونے سے دست بردار ہو گئے۔[2]

اب ہم آپ کی عام تعلیمات بتاتے ہین۔ جن مین سے ہر ایک سچ پوچھیے تو علم باطن حاصل کرنے والے کے لیے ایک شمع ہدایت ہے۔

کسی نے پوچھا "عارف کون ہے؟" فرمایا "وہ جو تیرا راز بتا دے اور تو خاموش بیٹھا رہے۔" اِسی طرح ایک اور مرتبہ کسی نے پوچھا "عارف کی کیا شان ہے؟" فرمایا "پانی اُسی وضع مین نظر آتا ہے جو وضع کہ اُس کے ظرف کی ہو" یعنی جیسا زمانہ اور وقت ہوتا ہے ویسی ہی عارف کی شان ہوتی ہے۔ عارف کی صفت مین ذوالنون مصری نے یہ الفاظ کہے تھے "ابھی یہان تھا۔ ابھی چلا گیا۔" اِن الفاظ کا تذکرہ لوگون نے جنید کے سامنے چھیڑا تو آپ نے فرمایا "عارف کو کوئی حالت کسی حالت سے روک

---

[1] نفحات الانس۔ [2] عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی۔

نہین سکتی۔ اور نہ کوئی مکان اُسے دوسرے مقامات مین چلے جانے سے باز رکھتا ہے۔
لہذا وہ سب مکانون کے ساتھ وہی نسبت رکھتا ہے جو نسبت کہ اُسے اُس مکان سے
ہے جس مین وہ موجود ہے۔ جس طرح اور لوگون پر حالتین طاری ہوتی ہین اُس پر بھی
طاری ہوتی ہین۔ اور اُس کی زبان سے ایسے رموز ظاہر ہوتے ہین جن سے لوگ
نفع اُٹھا سکیں؎۱ کسی نے پوچھا "یا حضرت معرفت کسبی ہے یا بغیر کوشش کے خود بخود
حاصل ہو جاتی ہے؟" فرمایا "چیزون کا ادراک میرے تجربے مین دو طرح ہوتا ہے۔ اگر
سامنے موجود ہو تو حس سے۔ اور اگر نظر سے اوجھل ہو تو دلیل سے۔ اللہ تعالےٰ چونکہ
ہمارے حواس کے سامنے نمایان نہین ہے اس لیے اُس کی معرفت دلیل اور
نتیجے سے ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم غیب اور غائب کو سوا دلیل کے اور کسی طرح نہین معلوم
کر سکتے۔ علیٰ ہذا القیاس نمایان چیز کو بغیر حواس کے نہین جان سکتے"؎۲

لوگون نے پوچھا "خالص توحید کیا ہے؟" فرمایا "یہ کہ بندہ کی آخری حالت
ابتدائی حالت کی طرف رجوع کر جائے اور ویسا ہی ہو جائے جیسا کہ عالم وجود مین
آنے سے پہلے تھا" اور فرماتے "وہ توحید جو اہل تصوف کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے
کہ قدیم کو حادث سے علیحدہ کرے۔ مواطن و مساکن کو چھوڑ دے۔ محبتون سے
قطع تعلق کرے۔ اور جو کچھ جانتا اور نہین جانتا ہے سب چھوڑ دے"؎۳

لوگون نے پوچھا "تحمید کیسے کہتے ہین؟" فرمایا "موحد کا اُس کی وحدانیت
کی تحقیق کر کے کمال احدیت کو ایسا یگانہ جاننا کہ وہ اکیلا ہے۔ نہ اُس کا باپ ہے
نہ بیٹا۔ اور اس علم مین تمام ایسی چیزون کو جو اُس کی ضد ہین، اور نیز شریکون اور

؎۱ رسالہ قشیریہ۔ ؎۳ طبقات الکبریٰ۔

مثالون کو فنا کرنا۔ نہ کسی کو اُس کے مشابہ بتانا۔ نہ اُس کی کیفیت بیان کرنا۔ نہ اُس کی صورت قائم کرنا۔ اور نہ اُس کی کوئی مثال دینا۔ صرف یہ کہ لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر۔

ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ایک سچا شخص لاکھ برس تک خدا کی طرف توجہ رکھے اور پھر ایک لحظہ کے لیے دوسری طرف متوجہ ہو جاے تو جو گھڑی اُس نے کھو دی وہ اُس زمانے پر غالب ہی رہے گی جس مین اُسے توجہ حاصل تھی۔

یہ بھی فرماتے تھے کہ "حکمت باطنی کے عہدون مین سے جس کی سب سے پہلے ضرورت ہے یہ ہے کہ مصنوع اپنے صانع کو پہچانے۔ اور پیدا ہونے والا یہ معلوم کرے کہ وہ کیونکر پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ خالق کی صفت مخلوق سے اور قدیم کی صفت حادث سے علحدہ کرے اور پہچانے۔ اُس کی دعوت رسالت کے آگے عاجزی سے سر جھکائے اور اُس کی عبادت کے واجب ہونے کا مُقر ہو۔ اِس لیے کہ جو اپنے مالک کو نہین پہچانتا وہ یہ بھی نہین جان سکتا کہ کس کی حکومت اُس پر واجبی ہے۔

فرمایا کرتے تھے "گوشۂ خلوت کی مشقت میل جول کی دلچسپیون سے زیادہ آسان ہے"۔ لوگون نے عرض کیا "قرب الٰہی کی نسبت کیا ارشاد ہوتا ہے؟" فرمایا "وہ دور ہے بغیر نزدیک ہونے کے اور نزدیک ہے بغیر اِس کے کہ مس ہو"۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے "جو یہ چاہتا ہو کہ اپنے دین کو صحیح و سالم رکھے اور اپنے بدن اور قلب کو آرام دے تو لوگون سے دور رہے۔ اِس لیے کہ یہ زمانہ وحشت کا ہے اور آج کل عقلمند وہ ہے جو گوشہ نشینی اختیار کرے۔"

عہ رسالۂ قشیریہ۔ عہ طبقات الکبریٰ۔

کسی اور نے سوال کیا کہ "توحید کیا ہے؟" فرمایا "یقین" سائل نے عرض کیا "اچھا ارشاد ہو کہ یقین کسے کہتے ہیں؟" کہا "تیرا یہ سمجھنا کہ خلقت کے تمام حرکات و سکنات خدائے وحدہ لاشریک کے افعال ہیں۔ یہ بات جب تجھے حاصل ہو جائے تو سمجھ لے کہ تو موحد ہو گیا" فرمایا کرتے تھے علم توحید کی بساط میں برس ہوئے تہ کر کے رکھ دی گئی۔ اب تو لوگ صرف اس کے گرد و پیش اور آس پاس کی باتوں سے بحث کیا کرتے ہیں۔

عربی زبان میں لفظ "مع" کے معنے ساتھ کے ہیں۔ ابن شاہین نے پوچھا کہ حضرت "مع" کے کیا معنی ہیں؟" فرمایا دو معنے ہیں۔ انبیا کے ساتھ آئے تو مدد کے معنے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انّنی معکما" میں تم دونوں کے ساتھ یعنی تمہارا مددگار ہوں" مگر یہ لفظ عام لوگوں کے ساتھ آئے تو اس کے معنے علم اور احاطہ کے ہوتے ہیں جیسے قرآن پاک میں آیا ہے "مایکون من نجوٰی ثلاثۃ الا ھو رابعھم" کوئی تین مناجات کرنے والے نہیں ہوتے کہ وہ (خدا) ان کا چوتھا نہیں ہوتا۔ یہ تقریر سن کے ابن شاہین کہہ اٹھے [illegible] کے شخص کے یہ شایان ہو کہ خدا کے راستے میں امت محمدی کا رہنما ہو۔ کسی مرید نے کل مال خیرات کر دینا چاہا۔ آپ نے فرمایا کچھ رکھ لو تمہارے نفس سے اطمینان نہیں کہ اس کے بعد کچھ نہ طلب کرے[1]

اہل شام کے سوالات کے جواب میں آپ نے فرمایا "خدا غیب کی چیزوں کے علم میں بے مثل و بے ہمتا ہے (یعنی اس کے سوا کسی کو علم غیب نہیں) [illegible] ہوگا اور نیز یہ امر کہ جو چیز نہیں ہونے والی ہے اگر ہوتی تو کیسا ہوتا۔ ان باتوں کو صرف وہی عالم الغیب جانتا ہے[2]" آپ کی صحبت میں ایک دن شبلی نے کہا "اللہ جل جلالہ" سنتے ہی فرمایا "شبلی اگر خدا غائب ہے تو غائب کا ذکر

---

[1] رسالۂ قشیریہ۔ [2] عوارف المعارف۔

کرنا غیبت ہے۔ اور اگر حاضر ہے تو حاضر کے روبرو اُس کا نام لینا ترک ادب ہے۔

فرمایا کرتے تھے جب تم صوفی کی یہ حالت دیکھو کہ ظاہرداری کی باتون کا زیادہ خیال رکھتا ہو تو جان لو کہ اُس کا باطن خراب ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے" تصوف یہ ہے کہ تیرے اور اللہ سبحانہ کے درمیان مین کوئی واسطہ نہ باقی رہے" کبھی فرماتے" تصوف تو ایک جنگ ہے جس مین صلح نہین" اور کبھی یہ کہتے کہ" وہ (صوفی) ایک گھروالے ہین جن کی صحبت مین کوئی دوسرا بار نہین پاتا" ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ" تصوف خدا کے ساتھ معاملے کے صاف ہونے کا نام ہے۔ اور اُس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ دنیا سے رُوگردانی کی جاسے" یہ بھی فرمایا" تصوف یہ ہے کہ اُسی تصوف سے خدا تجھے تیری خودی کو مٹا کے مارے اور اُسی سے [illegible] نیز فرماتے ہین تصوف ذکر ہے اجتماع یعنی خدا رسی کے ساتھ وجد ہے سماع کے ساتھ اور عمل ہے اتباع یعنی پیروی شرع کے ساتھ"

توبہ کی نسبت فرماتے ہین" توبہ کے تین معنی ہین۔ (۱) ندامت۔ (۲) اس بات کا عزم بالجزم کہ جس کام کو خدا نے منع فرمایا ہے اُسے پھر نہ کرین گے (۳) جو زیادتیان اور ظلم ہو گئے ہین اُن کے تدارک اور معاوضہ کی کوشش کرنا" ایک دفعہ لوگون نے پوچھا کہ" توبہ کیا ہے؟" فرمایا" یہ کہ اپنے گناہ کو بھول جاؤ" اس کی تصریح ایک دوسرے موقع پر یون فرمائی کہ" محققین کی توبہ یہ ہے کہ دل پر خدا کی عظمت کے غالب ہونے کا نقش ہونے کے باعث اپنے گناہون کو بھول جائین۔ اور اُس ذات وحدہٗ لاشریک کو ہمیشہ یاد کرتے رہین"

سہ تذکرۃ الاولیاء۔ سمہ طبقات الکبریٰ۔

رویم نے پوچھا "زہد کیا ہے؟" فرمایا "دنیا کو حقیر جاننا اور اُس کے اثرون کو دل پر سے مٹانا" یہی سوال کسی اور نے کیا تھا جواب دیا "ہاتھ کا مال وجائداد سے اور دل کا اُسکی تلاش سے خالی ہونا"

فرماتے ہین اللہ جل شانہ نے مومنین کو ایمان سے شرف عطا کیا۔ اور ایمان کو عقل سے اور عقل کو صبر سے۔ لہذا ایمان مومن کا دین ہے۔ عقل ایمان کا دین ہے اور صبر عقل کا دین ہے" فرمایا کرتے کہ مین نے اخلاص کو ایک حجام سے سیکھا۔ وہ مکۂ معظمہ مین کسی کے بال برابر کر رہا تھا مین نے کہا "خدا کے لیے میرے بال بنا دو" وہ فوراً آنکھون مین آنسو بھر لایا۔ جس شخص کے بال بنا رہا تھا اُس کی حجامت عذرخواہ ہو کے ناتمام چھوڑ دی۔ اور میرے سر پر بوسہ دے کے بال بنا دیے۔ پھر ایک پڑیا مین رکھ کے مجھے کچھ رقم دی اور کہا "اسے اپنے خرچ مین لائیے" مین نے لے لیا اور دل مین نیت کی کہ مجھے جو پہلی فتوح ہو گی وہ اس نائی کی نذر کرون گا۔ چند روز بعد روپیہ میرے ہاتھ آیا مین فوراً اُسے لے کے اُس کے پاس گیا۔ اور اُس کی نذر کیا۔ اُس نے کہا "یہ کیا ہے" تو مین نے اپنی نیت کا حال بیان کیا اُس نے کہا "اے شخص تجھے شرم نہین آتی؟ تو نے خدا کی راہ مین بال بنانے کو کہا تھا۔ اور اب کہتا ہے کہ یہ اُس کا معاوضہ ہے تو نے کسی کو بھی دیکھا ہے کہ خدا کی راہ مین کام کرے اور پھر اُس کی مزدوری لے؟"

لوگون نے پوچھا "خوف کیا ہے؟" ارشاد ہوا "سانس کی آمد و رفت کے ساتھ عذابِ الٰہی کا متوقع رہنا"

لوگون نے سوال کیا کہ "حکایتون سے مرید کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے؟" فرمایا "حکایتین

---

۱ رسالۂ قشیریہ۔ ۲ عوارف المعارف۔ ۳ تذکرۃ الاولیا۔

تو اللہ جل شانہ کے لشکر مین سے ایک لشکر ہین جس سے مریدون کے دلون کو تقویت ہوتی ہے۔" عرض کیا" اِس کا کوئی ثبوت بھی ہے؟" ارشاد ہوا" کلام ربانی۔ کتاب اللہ مین ہے" وکُلاًّ نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فؤادک" (اور ہم تجھ سے پیغمبرون کے تمام قصّے بیان کرین گے جن سے کہ تیرے دل کو مضبوط کرین گے)

لوگون نے دریافت کیا" حیا کیا ہے؟" فرمایا" نعمتون کو دیکھنا اور اپنی کمی کو دیکھنا اِن دونون کے درمیان مین ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے حیا کہتے ہین" لوگون نے کہا" وہ شخص کیسا ہو جس کے لیے دنیا مین زندگی کی صرف اتنی مہلت باقی رہ گئی ہے کہ ایک گٹھلی چوس کے پھینک دے" فرمایا" ایک مکاتب غلام ہے جس کے ذمہ کوئی درہم نہین باقی رہا۔"

کسی نے پوچھا" اُس شخص کی نسبت آپ کیا فرماتے ہین جو ہدایت کر رہا ہے مگر گانا سُن کے اُسکی حالت متغیر ہو گئی۔" فرمایا" مخلوق سے عہد و پیمان لیتے وقت جب اللہ جل شانہ نے فرمایا تھا الست بربکم اُس وقت اِس کلام کی شیرینی نے روحون کو ایک چوٹ لگادی تھی۔ جب گانا سنتے ہین تو وہی چوٹ پھر یاد آجاتی ہے۔" نیز فرمایا کرتے تھے" تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتون پر ہے جو انبیا علیہم السلام کے ساتھ مخصوص تھین (۱) سخاوت جو حضرت ابراہیم کا حصّہ تھی۔ (۲) رضا جو حضرت اسحٰق کے ساتھ مخصوص تھی (۳) صبر جس کا حق حضرت ایوب نے ادا کیا۔ (۴) اشارہ۔ جو حضرت زکریا کے لیے خاص تھا۔ (۵) غریب الوطنی جو حضرت یحییٰ کے لیے تھی۔ (۶)، سیاحی جو حضرت عیسیٰ کے خصائص مین سے تھی۔ (۸) فقیری جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھی۔"

سلہ رسالہ قشیریہ۔ عسہ طبقات الکبریٰ۔

لوگوں نے سوال کیا "اللہ جل شانہ کی درگاہ مین محتاج رہنا اچھا ہے یا اُس کے بھروسے پر غنی ہو جانا؟" ارشاد ہوا "جب اللہ کی درگاہ مین محتاج رہنا متحقق ہوا تو اُس کے بھروسے پر مستغنی رہنا بھی ثابت ہوگیا" اور جب استغنا اللہ کے بھروسے پر ہوا تو غنی مین بھی کمال ہوا۔ لہذا یہ نہین کہا جا سکتا کہ کون زیادہ مکمل ہے۔ فقر یا غنی۔ اِس لیے کہ یہ دونون حالتین ہین۔ اور ایسی کہ اِن مین سے کوئی بغیر دوسری کے پوری نہین ہو سکتی"

پھر فقیرون کی طرف متوجہ ہو کے ارشاد فرماتے ہین "اے گروہ فقرا، تم اللہ کو پہچانتے ہو۔ اللہ کا ادب کرتے ہو۔ لہذا یہ دیکھو کہ اللہ کے ساتھ جب تم خلوت مین ہوتے ہو اُس وقت اُس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو؟"

صوفیۂ اسلام کے نزدیک جب عبادت و ریاضت اور زہد و تقوی کے ذریعے سے نفس قابو مین آجاتا ہے اور طبیعت انسانی کا دیو فرمان بردار ہو جاتا ہے اُس وقت فطرت انسانی کے بعض تقاضون کے پورے کرنے اور بعض لذتون سے لُطف اُٹھانے کی اجازت ہو جاتی ہے۔ اور اُس زمانے کو صوفیہ کی اصطلاح مین "وسعت" کہتے ہین۔ اسی مقام کی نسبت حضرت جنید فرماتے ہین "اب مین نکاح کا ویسا ہی محتاج ہوتا ہون جیسا کہ کھانے کا محتاج ہون"

ارشاد فرمایا کرتے تھے "علم آخرت کے لیے اُس وقت تک دل صاف نہین ہو سکتا جب تک انسان دنیا سے مجرد نہ ہو جائے۔ لہذا ابتدا ہی مین دنیا کو اپنے دل سے نکال ڈالو۔ اور اِس بات سے ڈرو کہ تمھارے سینے مین خواہش نفس کا کوئی دفینہ چھپا رہ جائے۔ کیونکہ وہ تمھین آگے بڑھنے اور ترقی کرنے سے

عہ رسالۂ قشیریہ۔

روک دے گا۔ اور جب تک تم اس حالت میں رہو گے تمھارا مرشد بھی تمھیں ایک قدم آگے نہ بڑھا سکے گا۔ اس لیے مرشد کے حکم کو سنو اور اُس کے پابند ہو۔" چنانچہ آپ کا قول تھا کہ "اللہ تعالیٰ کی جانب سے غافل ہونا دوزخ مین جانے سے زیادہ سخت ہے"۔

اہل معرفت کے دلون پر جو کیفیتین طاری ہوا کرتی ہین اُن مین جمع و تفرقہ بھی ہین۔ اِن دونون جذبات کی ماہیت اِن مختصر الفاظ مین بیان فرماتے ہین "عالم وجد مین قربت الٰہی حاصل ہونے کا نام جمع ہے اور اُس قربت کے جانے کے بعد پھر بشریت کی حالت مین آنے کا نام تفرقہ ہے۔" وجد کی تعریف مین فرماتے ہین کہ "سرور کے ساتھ ذات ربانی کے ظہور کے وقت صفات کے منقطع ہو جانے کا نام وجد ہے۔" پھر فرماتے ہین کہ "جب مین عالم شہود کے نمایان ہونے پر آپ سے غائب ہوتا ہون تو اللہ ہی میری ہستی ہوتا ہے۔" عالم وجد کے نازک ترین مقابات کی حقیقت بیان فرماتے ہین "میرا وجد مجھے خوش کیا کرتا تھا۔ اِس کے بعد کیا ہوا کہ وہ جو عالم وجد مین موجود ہے اُس نے مجھے یہان تک معدوم کر دیا کہ خود وجد بھی نہ نظر آتا تھا۔ جو شخص عالم وجد مین ہو اُسے وجد مسرور کیا کرتا ہے۔ مگر حضور حق کے وقت وہ وجد بھی غائب ہو جاتا ہے۔"

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "جن دو شخصون مین خدا کے لیے اُخوت قائم ہوئی اور پھر اُس کے بعد اُن مین سے کوئی دوسرے سے متنفر ہو گیا۔ تو سمجھ لو کہ اُن مین سے کسی ایک مین ضرور کھوٹ ہے۔"

فرماتے ہین "جس کسی نے اپنے نفس پر نیت خیر کا دروازہ کھولا اللہ اُس پر

ع۵ طبقات الکبریٰ۔ ع۶ عوارف المعارف۔

توفیق کے ستر دروازے کھول دیتا ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے نفس پر بُری نیت کا دروازہ کھولا۔ اُس پر اللہ جل شانہ ذلت کے ستر دروازے کھول دیتا ہے اور اُس طرف سے جدھر کی اُسے خبر بھی نہین ہوتی۔[۱]

ابو جعفر خلدی نے پوچھا "یا حضرت۔ سچائی اور خلوص مین کوئی فرق ہے؟" ارشاد ہوا "ہان ہے۔ سچائی اصل ہے اور خلوص فرع ہے جو اُس کے تابع رہا کرتا ہے۔" نیز فرماتے ہین "رضا اور محبت۔ خوف اور رجا کے مثل نہین ہین۔ اس لیے کہ رضا و محبت ایسی دو حالتین ہین جو بندے سے کبھی جُدا ہی نہین ہوتین۔ نہ دنیا مین نہ آخرت مین۔ کیونکہ جنت مین بھی رضا اور محبت کی ضرورت ہوگی۔ حالانکہ وہان خوف و رجا نہ ہونگے" توکل کی حالت بتاتے ہین "توکل یہ ہے کہ اللہ سے اس طرح وابستہ ہو جائے کہ گویا تو تھا ہی نہین۔ اور اُس کے نتیجے مین اللہ تجھ مین اس طرح بس جائے کہ گویا وہ ہمیشہ سے یونہین تھا۔" صوفی کی شان بتاتے ہین کہ "صوفی مثل زمین کے ہے جسے اچھے بُرے سب روندتے ہین۔ یا مثل گھٹا کے ہے جو ہر چیز پر سایہ کرتی ہے۔ یا مثل مینہ کے ہے جو ہر چیز کو سیراب کرتا ہے۔"[۲]

فرمایا کرتے تھے کہ "شکر مین ایک عیب بھی ہے۔ وہ یہ کہ شکر کرنے والا اپنے نفس کے واسطے زیادہ نعمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ لہذا شکر کرنے مین وہ خداوند جل وعلا سے اپنے حظ نفس کے ساتھ واسطہ رکھتا ہے۔ اصلی شکر یہ ہے کہ اپنے نفس کو تو رحمت کا مستحق ہی نہ سمجھے۔"[۳]

فرماتے ہین "اللہ تعالی اپنے بندون کے دلون سے اُسی حد تک قرب پیدا کرتا ہے

---

[۱] طبقات الکبریٰ۔ [۲] عوارف المعارف۔ [۳] رسالۂ قشیریہ۔

جتنی قربت کہ اُن مین اپنی ذات سے پاتا ہے۔ لہذا تم غور کرو کہ تمھارے دل مین کتنی قربت ہے۔" لوگون نے آپ سے پوچھا "اپنے کن وقتون پر آپ افسوس کرتے ہین؟" فرمایا "اُس زمانۂ بسط پر جس کے بعد قبض کی کیفیت طاری ہو جائے۔ اور اُس زمانۂ اُنس پر جس کے بعد دہشت کی کیفیت طاری ہو۔" اُنس کی تعریف مین ارشاد ہوتا ہے "غیظ و غضب کے جاتے رہنے کے بعد حضرت ہیبت کے باقی رہ جانے کا نام اُنس ہے۔" غنا کی حالت ارشاد ہوتی ہے: "اپنے تمام اوصاف سے تیرا غافل ہو جانا اور اُس ذات واحد کی کلیت مین تیرا کلیۃً مشغول ہو جانا غنا ہے۔" یہ کس قدر مشکل چیز ہے۔ اور ہم نہین سمجھ سکتے کہ یہ حالت کتنون پر طاری ہو سکتی ہے۔ اور اسی دشواری کی وجہ سے یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ "سماع اُس شخص کے لیے جو اُس کا خواہشمند ہو فتنہ ہے۔ اور اُس شخص کے لیے جسے اُس سے سچا وجد حاصل ہوتا ہو ترویح ہے۔"

ایک دفعہ لوگون نے پوچھا "محبت رکھنے والا محبوب سے ملاقات ہونے کے وقت رونے کیون لگتا ہے؟" فرمایا "اس کا سبب یہ ہے کہ ہجوم شوق سے اُس پر سرور و وجد کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔" کسی نے پوچھا "کیون حضرت! عارف سے زنا بھی سرزد ہو سکتا ہے؟" یہ سوال سُن کے آپ ایک گھڑی سر جھکائے رہے۔ پھر سر اُٹھا کے فرمایا "وکان امر اللہ قدراً مقدوراً" یعنی خدا کے معاملات تقدیر مین لکھے اور مقدر ہوا کرتے ہین۔ مطلب یہ کہ جب اُس کی قسمت مین ایسا گناہ لکھ دیا گیا ہے تو کیون نہ ہوگا۔ کسی نے پوچھا "دل کس وقت خوش ہوتا ہے؟" فرمایا "جب وہ دل مین ہو۔"

شیخ علی بن سہل اصفہانی آپ کے عہد کے مشہور عارفون مین تھے۔ اور ابو عبداللہ

عہ عوارف المعارف۔ عہ ہ نزہۃ المجالس عہ تذکرۃ الاولیاء۔

محمد بن یوسف بن معدن بناء، کے مریدون مین سے تھے۔ اُنھین ایک مرتبہ آپ نے ایک عارفانہ خط بھیجا جس مین تحریر فرمایا تھا" اپنے مرشد سے پوچھو کہ تم پر غالب کون چیز ہے" یہ سن کے ابوعبداللہ موصوف نے فرمایا "جواب مین لکھ دو کہ اُن کے معاملات پر خدا غالب ہے" غالباً اس تحریر کے بعد سے حضرت جنید شیخ ابوعبداللہ کے فضل و کمال کے معترف تھے۔

آپ کی مخالفت

اُن دِنون صوفیہ کا گروہ نیا نیا پیدا ہوا تھا۔ یعنی محض زہد و تقوی کے علاوہ ان بزرگون نے الہیات کا ایک فن پیدا کیا تھا جس مین ایک طرف تو اسلام کا جلوہ لمع افگن تھا اور دوسری طرف اُنھون نے جن نئی غیر مانوس اصطلاحون مین جس قسم کے مسائل توحید و عرفان بیان کرنے شروع کیے تو اُن سے یونان و مجوس کے الہیات اور نصاری وہنود کی رہبانیت و ریاضت کی بو آتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ اہل حق اور عام مسلمانون کا رُجحان ان لوگون کی طرف بڑھتا جاتا تھا۔ یہی امور دیکھ کے اکثر لوگون نے انھین وحشت کی نگاہون سے دیکھا۔ بعض متشدد محدثین نے اُنھین بتدع اور خلاف کتاب و سنت کہہ دیا۔ بعض نے دلی بغض و حسد کی بنیاد پر ان بزرگون کو تہمتین لگائین۔ اور اکثر صوفیون کو نقصان بھی پہونچ گیا۔ لیکن حیرت کی یہ بات ہے کہ جنید بغدادی باوجودیکہ صوفیون کے سراج اور سیدالطائفہ سمجھے جاتے تھے۔ تمام صوفیۂ عالم کے مرجع و ماوی بنے ہوئے تھے۔ اور آپ کے گھر مین اہل معرفت کا ہمیشہ مجمع رہا کرتا تھا مگر ان کی نسبت

نکتہ چینی کی زبان کھولنے کی کسی کو بہت کم جراُت ہو سکتی تھی - حتیٰ کہ صوفیہ کے بڑے بڑے مخالفین بھی آپ کی دینداری و پاک نفسی کے معترف تھے - جن علما نے گروہ صوفیہ پر عتاب کیا اُنھیں سزائیں دلوانے کی کوششیں کیں اُنھوں نے ہمیشہ جنید بغدادی میں کوئی ایسا کمال پایا اور اُن میں کوئی ایسی ہردل عزیزی دیکھی کہ اُنھیں ہر قسم کی آزار رسانی سے بچا لیا - بعد کے علما میں سے بھی جنھوں نے صوفیہ پر زبان طعن و تشنیع اکثر دراز کی ہے اُنھوں نے بھی جنید بغدادی کو اکثر الزام سے بچایا ہے - اِس سے زیادہ کیا ہو گا کہ علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں صوفیہ کے ہر فعل پر اعتراض کیے ہیں - یہاں تک کہ حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی بھی اُن کے قلم سے نہیں بچ سکے - مگر اُنھوں نے بھی نہیں اعتراض کیا تو جنید بغدادی پر -

اِس کے دو سبب تھے - ایک تو یہ کہ آپ پابند شرع اور پیرو سنت رسول اللہ صلعم تھے - آپ کا شمار فقرا و صوفیہ ہی میں نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کے متبحر فقہا میں بھی تھا - اور دوسرا سبب یہ تھا کہ آپ رموز باطن کو عوام الناس کے سامنے بیان کرنے سے پرہیز کرتے تھے اور صرف اُنھیں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے جو اُس کے اہل تھے - اور وہ بھی خلوت میں سب سے الگ ہو کے اور دروازہ بند کر کے - جیسا کہ آپ کے طرز تعلیم کے بیان میں بتایا جا چکا ہے -

لیکن پھر بھی بعض مواقع پر لوگوں نے آپ کے خلاف ہنگامہ پیدا کر ہی دیا - الا بعض رسائی میں کوئی بات نہیں اُٹھا رکھی - ابو نعیم اصفہانی کا بیان ہے کہ آپ کے زمانے میں ابو دانیال نام ایک سرپھرا سا شخص تھا جس کا معمول تھا کہ جنید و رویم و سمنون و ابن عطا اور تمام مشائخ عراق کو الزام دیا کرتا - اور کسی کو اُن کا ذکر کرتے سُنتا تو

کرتے سُنتا تو اُسے عضہ آجاتا اور نہایت ہی برہم ہو جاتا۔ اور اسی پر کیا موقوف ہے معاصرین کے ہاتھوں یہ بھی اتفاق پیش آیا کہ آپ کافر و زندیق قرار دیئے گئے۔ ماخوذ ہوئے۔ اور لوگوں نے آکے گواہیاں دیں کہ ہمارے سامنے اُنھوں نے بددینی و کفر کے کلمات زبان سے نکالے تھے۔ حالانکہ آپ کے تبحر اور علم و فضل کے سب معترف تھے۔ مگر سب سے زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ ابو مزاحم شیرازی نام ایک صوفی بزرگ کو بھی جو مملکت فارس کے مشائخ میں تھے ہم جنید اور اُن کے شاگرد رشید شبلی کے مخالف اور اُن پر معترض پاتے ہیں۔

انھیں مخالفتوں کا ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ جب آپ کے دامن میں کوئی اور دھبہ نہ لگایا جا سکا۔ اور کوئی ایسی بات نہ پا سکے جس پر آپ کو صریح الفاظ میں الزام دیا جائے تو خلیفۂ وقت کی وہ بری چال ہوئی جو بھیجی گئی جسے جنید کی آتش غضب کی ایک لپک نے خاک میں ملا دیا۔

مگر سب سے بڑا حملہ اُس عہد کے صوفیوں پر یہ تھا کہ غلام خلیل نے خلیفہ معتضد باللہ عباسی کے دربار میں صوفیوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ زندیق و بے دین ہیں۔ اور خلیفہ کا فرض ہے کہ اسلام کو ان کے فتنہ سے بچائے۔ بعض کہتے ہیں کہ اُس کی ابتدا ابو الحسین احمد بن محمد نوری سے ہوئی۔ اُنھوں نے بغداد میں کسی جگہ

لہ طبقات الکبریٰ۔ عہ تلبیس ابلیس ابن جوزی۔ سہ نفحات الانس۔ لہ غلام خلیل اس شخص کا لقب تھا اور نام عبد اللہ بن احمد باہلی تھا۔ علامہ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں اسکا شمار طبقات صوفیہ میں کیا ہے۔ اور اُس کے تصانیف میں کتاب الدعا۔ کتاب الانقطاع الی اللہ کتاب الصلوٰۃ اور ایک کتاب المواعظ بتائی ہیں۔ سہ تلبیس ابلیس۔

دیکھا تھا کہ لوگ شراب کے خم پیے جاتے ہیں۔ اور جوش دینداری سے از خود رفتہ ہو کے اُن خموں کو توڑ ڈالا تھا۔ لوگ خلیفہ معتضد کے دربار میں پکڑے گئے۔ معتضد کی یہ حالت تھی کہ بات پیچھے کرتا تھا اور گالی پہلے دیتا تھا۔ اپنی عادت کے موافق گالی دے کے اُن سے کہا "تو کون ہے؟" اُنھوں نے برجستہ جواب دیا "محتسب" اُس نے پوچھا "اور تجھے محتسب کس نے بنایا؟" اُنھوں نے چھوٹتے ہی کہا "جس نے تم کو خلیفہ بنایا"۔ اسی کے پاداش میں اور سب صوفیۂ عراق اور اُن کے دوست احباب بھی ساں لیے گئے۔ یہ وجہ صرف صوفیۂ متاخرین نے بنائی ہے۔ حالانکہ مستند مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ معتضد ایک پابند شرع اور محتاط خلیفہ تھا۔ بہر تقدیر اصلی بنیاد جا ہے جو کچھ ہو ہوا یہ کہ تمام صوفیہ کے قتل کیے جانے کا فرمان جاری ہو گیا۔ اس موقع پر جنید بغدادی تو یوں بچے کہ علامہ ابو ثور کی شاگردی اور فقاہت اُن کے کام آگئی۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو بجاے صوفی کے فقیہ ظاہر کیا۔ اور فقہ ابو ثور کے مطابق فتوے دینے کا سلسلہ جاری کر کے سلطنت کے مواخذے سے بچ گئے۔ باقی اور سب صوفی جن میں نوری، شحام، سمنون اور [illegible] قتل کا وہیں لائے گئے [illegible] سب کے قتل کا سامان ہو رہا تھا۔ اور جلاد تلوار برہنہ کر کے کھڑا ہو گیا تھا کہ نوری نے سب سے پہلے آگے بڑھ کے سر جھکا دیا۔ جلاد نے متحیر ہو کے پوچھا "کیا تمھیں خبر ہے کہ کس لیے یہاں لائے گئے ہو؟" کہا "ہاں جانتا ہوں کہ قتل ہونے کو آیا ہوں"۔ پوچھا "تو پھر یہ جلدی کس لیے ہے؟" فرمایا "اس لیے کہ اپنے رفیقوں سے پہلے میری جان لی جائے۔ اور اُنھیں زندگی کے چند لمحے اور مل جائیں"۔ جلاد یہ جواب سُن کے

عہ طبقات الکبریٰ۔

اور زیادہ حیران ہوا۔ اور یہ کیفیت خلیفۂ معتضد کی خدمت مین عرض کرائی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ "اچھا یہ لوگ قاضی کے پاس بھیجے جائین۔ تاکہ وہ اِن کے حالات وعقائد کی تفتیش کرے۔" اِس حکم کے مطابق یہ سب حضرات قاضی کے اجلاس مین پہونچائے گئے۔ قاضی نے ابوالحسن نوری سے فقہ کے چند مسائل پوچھے۔ اُنھون نے سب کا صحیح اور معقول جواب دیا۔ اور جواب دینے کے بعد کہنے لگے "سنیے قاضی صاحب اللہ جل شانہٗ کے بعض ایسے بندے ہین جو اللہ ہی کی ذات سے قائم ہین۔ اور جب زبان کھولتے ہین تو اُسی کا ذکر کرتے ہین۔" اِس تقریر کا سلسلہ اُنھون نے موثر لہجے مین اور اِس حد تک بڑھایا کہ قاضی کے آنسو جاری ہو گئے۔ زار و قطار رونے لگا۔ اور بارگاہ خلافت مین یہ رپورٹ پیش کی کہ "اگر یہی لوگ زندیق ہین تو پھر میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی مسلمان نہین۔" قاضی کی رپورٹ دیکھ کے معتضد نے اپنا فرمان منسوخ کیا۔ اور یہ لوگ آزادی سے اپنے اپنے گھر آئے۔ لیکن شیخ نوری کو معتضد کی جانب سے ایسا اندیشہ ہو گیا تھا کہ جب تک سنہ ۲۹۵ھ مین وہ آغوش لحد کے سپرد نہین کر دیا گیا وہ دارالخلافت بغداد سے دور ہی رہے۔

گو اِس واقعے سے سب کو جان بری حاصل ہو گئی مگر زمانے سے طرح طرح کے اندیشے بھی پیدا ہو گئے تھے۔ ہر وقت مخالفون کی سازش کا خوف لگا رہتا تھا۔ اور یہ بزرگ علانیہ طور پر اپنے اصول معرفت کی تلقین بھی نہین کر سکتے تھے۔

اِن اختلافات کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانے تک علم ظاہر اور علم باطن مین لڑائی ہو رہی تھی۔ صوفیہ اصلاح باطن کی طرف جھک رہے تھے۔ اور ظاہر داری کی

عہ رسالۂ قشیریہ۔ عہ طبقات الکبریٰ۔

باتون کی طرف سے بے پروائی کرتے تھے۔ فقہا و محدثین ان کی اُن باتون سے بھڑکتے اور
انھین مشتبہ نگاہون سے دیکھتے تھے۔ ہنوز وہ زمانہ نہین آیا تھا کہ انسان کی زندگی مین
دونون علمون کا محل و مقام مشخص کر کے یہ دونون علوم ظاہر و باطن ایک ہی شخص مین
جمع کر دیے جائین۔ اگرچہ جنید اپنی ذات سے علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ اور
اسی وجہ سے مخالفانہ شورشون کا اثر اِن پر ہلکا ہو کے پہونچتا تھا۔ لیکن پھر بھی ان کا
میلان زیادہ تر معرفت تزکیہ نفس۔ اور اصلاح باطن ہی کی طرف تھا۔

آخر چند روز بعد اِن اہل باطن نے دنیا کو اپنے اِسی فقیرانہ جہاد سے جسے وہ
جہاد نفس کہتے تھے فتح اور مسخر کر لیا۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ وہی علماے متبحر جو کفر و الحاد
کے فتوے دیا کرتے تھے اِن بےنفس اور بے ساز و سامان بزرگون کے سامنے
سر جھکائے کھڑے تھے۔ اور اُسی طرح اِن کی بارگاہ فیض مین حاضر ہوتے تھے جس طرح
کہ اُن کا کوئی ادنی خادم حاضر ہوتا ہے۔ سچ کہتے ہین کہ الحق یعلو ولا یُعلیٰ۔ سچائی
فتحیاب ہی ہوتی ہے۔ اسلام کی بعد کی تاریخ بتا رہی ہے کہ وہ تو ابتداے عہد
کے جنید ہی صوفی تھے جو حاکمون اور عالمون کے ہاتھ سے ستائے گئے۔ لیکن
بعد کے زمانے مین جب صوفیہ نے اپنا اصلی مرتبہ حاصل کر لیا تو ہزارہا مرتبہ یہ
شان نظر آ گئی کہ ایک گلیم پوش درویش اور ایک خرقہ پوش صوفی کے سامنے
بڑے بڑے متکبر سلاطین سر جھکاتے اور مستند و مرجع انام علماے گران پایہ
اُن کے قدمون پر پیشانی رگڑ رہے ہین۔ ہان اس بات کا افسوس البتہ ہے کہ
اِن کے فقیرانہ لباس مین بہت سے ہوس پرست اور سیاہ دل لوگ بھی دلق سالوس
پہن کے زمانے کو فریب دیا کرتے ہین۔

فیض یابانِ صحبت۔ اقران و تلامذہ

آپ کا روحانی فیض دنیائے اسلام مین آج تک جاری ہے موجودہ مشائخ کے سلسلون اور شجرون کو دیکھیے تو اس بات پر حیرت معلوم ہوتی ہے کہ جو شمع معرفت آپ نے روشن کی تھی کتنے سینون مین روشن ہوئی اور آج تک کس طرح برابر روشن ہوتی چلی آتی ہے۔ اس کا شمار خدا ہی جانتا ہے کہ کس قدر لاتعد و لاتحصی مخلوق نے آپ کے روشن کیے ہوئے چراغ ہدایت کی روشنی مین عالم آخرت کا راستہ پایا اور آج بھی پا رہے ہین۔ قرون مابعد کے فیض یابون سے قطع نظر کیجیے تو خاص مریدون اور شرف لقاء حاصل کرنے والون کا شمار بھی تھوڑا نہین ہے۔ خود فرماتے ہین "دس ہزار صادق مریدون کو جنید کے ساتھ صدق کے طور پر لائے۔ اور اُن سب کو معرفت کی راہ مین قہر کے سمندر مین غرق کر دیا۔ آخر کار ابو القاسم جنید کو اوپر لائے اور ہماری ارادت کے آسمان کا آفتاب بنا دیا[۵]"

لیکن ہمین اس موقع پر صرف اُن مشہور خوش نصیب بزرگون کے اسمائے گرامی بتانے ہین جنھین آپ کی صحبت سے فیض اُٹھانے کا موقع ملا۔ اور آپ کے جمال جہان آرا کی زیارت سے شرفیاب ہوئے۔ اِن مین آپ کے وہ معاصرین بھی ہین جو اگرچہ آپ کے مرشد حضرت سری سقطی یا دیگر مشائخ ماسبق سے ارادت رکھتے تھے اور آپ کے دوست اور ہم صحبت تھے مگر آپ کے چشمۂ فیض سے بھی سیراب ہوئے۔ اور اُنھین سے بعض تو آپ کی شاگردی کا اعتراف کرنا اپنا فخر خیال کرتے تھے۔

---

[۵] تذکرۃ الاولیاء۔

فیض پایون مین صرف دو بزرگ ایسے ہین جو آپ سے کچھ قرابت بھی رکھتے تھے یعنی ابوالورد کے دونون بیٹے احمد اور محمد۔ ان دونون کا شمار اعلیٰ طبقے کے گران پایہ مشائخ باطن مین تھا۔ حضرت جنید سے قرابت بھی رکھتے تھے اور آپ کی صحبت سے فیض بھی اُٹھایا تھا۔ افسوس کہ اُن دونون کا سنہ وفات ہمین نہین معلوم ہو سکا۔ اور نہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جنید سے اُنھین کیا قرابت تھی۔

اِن کے علاوہ آپ کے ہم صحبتون مین اکثر وہ لوگ تھے جو خود آپ کے مرشد سری سقطی یا کسی دوسرے بزرگ کے مرید اور آپکے پیر بھائی تھے۔ اور آپ کے اقران مین شمار کیے جاتے تھے مگر باوجود اس درجہ مساوات کے آپ کے معتقد تھے۔ اور آپ کی خدمت مین نفع اُٹھانے کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ اِن مین سب سے زیادہ مشہور ولی اللہ اور آپ کے رفیق صحبت ابوالحسین احمد بن محمد نوری تھے جن کے خلیفہ معتضد کے ہاتھ سے ستائے جانے اور مع بہت سے مشہور صوفیون کے واجب القتل ٹھہرائے جانے کا واقعہ بیان کیا جا چکا۔ یہ بڑے عالم و فاضل اور صاحب باطن بزرگ تھے۔ سری سقطی اور محمد بن القصار سے فیض اُٹھایا تھا۔ اُن کا چہرہ ایسا نورانی تھا کہ کہتے ہین مسجد شونیزیہ مین رات کو جاتے تو وہان کے چراغ کی روشنی اُن کے چہرے کے آگے ماند پڑ جاتی۔ ۲۸۶ھ مین یا ۲۹۵ھ مین سفر آخرت کیا۔ جنید کا پلہ علم مین بڑھا ہوا تھا۔ اور اِن کا وجد وحال مین۔ اور جنید کہا کرتے کہ جب سے نوری مر گئے کسی نے سچائی کی حقیقت نہین بیان کی۔

ابو عبداللہ عمرو بن عثمان مکی۔ یہ ایک محترم محدث تھے صحیح بخاری کی روایت

سه طبقات الکبریٰ۔ سه مرآۃ الجنان یافعی۔ سه نفحات الانس۔

کرتے تھے۔ اور گو شوق علم اُنھیں بڑے بڑے علماء و محدثین کی صحبت میں لے گیا ہوگا مگر اُنھیں ناز اسی پر تھا کہ جنید بغدادی کی صحبت سے فیض اُٹھایا۔ حسین بن منصور حلاج جن کا انا الحق کا نعرہ بلند کرنے اور مصلوب ہونے کا واقعہ خاص و عام کی زبان پر ہے اصلی شاگرد اُنھیں کے تھے۔ اُنھوں نے بھی جنید سے چھ سال پیشتر سنہ ۲۹۱ھ میں سفر آخرت کیا۔ اور بعض کے نزدیک سنہ ۲۹۶ھ میں۔

خیر نساج جن کی کنیت ابوالحسن تھی۔ اصلی وطن شہر سُر من رای تھا۔ مگر بغداد کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ ابوحمزہ بغدادی اور سری سقطی سے اُنھیں فیض حاصل ہو چکا تھا۔ نوری کے اُستاد تھے۔ ابوبکر شبلی اور خواص نے پہلے پہل اُنھیں کی خدمت میں حاضر ہو کے توبہ کی تھی۔ اور اُنھیں نے شبلی کو جنید کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ۱۲۰ برس کے ہو کے سنہ ۳۲۲ھ میں رہ نورد آخرت ہوئے۔ جنید کہا کرتے تھے کہ "خیر خیرنا"۔

ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز وطن بغداد تھا۔ اور تین گران پایہ اولیائے سلف یعنی ذوالنون مصری، سری سقطی اور بشر حافی کی صحبت فیض سے بہرہ یاب ہوئے تھے۔ اپنے زمانے میں امام وقت اور شیخ زمانہ مانے جاتے تھے۔ اور حضرت جنید سے بیس برس پہلے سنہ ۲۸۶ھ میں انتقال کیا۔ یہ بہت تیز چلتے تھے جس کی بنا پر مرتعش کا قول تھا کہ "ابوسعید خراز میں تھوڑا لاگ و لپٹی میں تھوڑی نرمی اور جنید میں تھوڑی تیزی ہو نی چاہیے"۔ مگر اس کے ساتھ عقیدت کی یہ حالت تھی کہ کہتے تھے میں نے زندگی میں دو ہی صوفی دیکھے۔ ایک جنید اور دوسرے ابن عطا۔

سه طبقات الکبریٰ۔ سه نفحات الانس۔ سه رسالۂ قشیریہ۔ سه نفحات الانس۔ سه طبقات الکبریٰ۔ سه نفحات الانس۔ سه طبقات الکبریٰ۔ سه رسالۂ قشیریہ۔

ابو اسحاق ابراہیم بن احمد خوّاص جنید و نوری کے ہم صحبتوں اور اقران میں تھے طریقۂ توکل پر چلنے میں اُن کو خاص شہرت و ناموری حاصل تھی۔ شہر رَے میں ۲۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔

سمنون بن حمزہ جنید و نوری کے اقران اور ہم صحبتوں میں تھے۔ یہ بہت ہی خوش رو بزرگ تھے۔ اتفاقاً ایک عورت اُن پر عاشق ہو گئی۔ اُس نے لاکھ بُلایا اور اپنی طرف کھینچا مگر ان کے دل کو تو کوئی اور ہی لو لگی ہوئی تھی اُس کی صورت سے بھاگتے تھے۔ جب اُس کا اور کوئی زور نہ چلا تو حضرت جنید کے پاس آئی کہ اپنے دوست سمنون کو مجھ سے راضی کر دیجیے۔ آپ نے اُسے سمجھایا۔ اور جب اس پر بھی وہ نہ باز آئی تو خفا ہوئے اور اُسے اپنے پاس سے نکال دیا۔ آخر جب اُس کا کوئی زور نہ چلا تو غلام خلیل کے پاس جا کے تہمت لگائی کہ سمنون سے مجھ سے تعلق ہے۔ غلام خلیل تو ان بزرگوں کا دشمن ہی تھا دربار خلافت میں یہ شکایت اور الزام پیش کر کے سمنون کے قتل کا حکم جاری کرا دیا۔ جلاد آیا۔ اور اُس نے آخری مرتبہ خلیفہ سے قتل کی اجازت مانگی مگر خلیفہ (غالباً معتضد باللہ) کی زبان قابو سے باہر ہو گئی۔ اور اُس نے لاکھ چاہا مگر اجازت کے الفاظ زبان سے نہ نکل سکے [illegible] دوسرے روز پر اُٹھا رکھی گئی۔ رات کو خلیفہ سویا تو خواب میں اُس سے کہا گیا کہ تیرے مُلک کا زوال سمنون کے قتل سے وابستہ ہے۔ صبح کو اُٹھتے ہی اُس نے معذرت خواہ ہو کے رہائی کا حکم دیا۔ اور ان بیچارے کی اُس فتنے سے جان چھوٹی۔ انھیں سری سقطی کی زیارت بھی نصیب ہوئی تھی۔ اور جنید کے چند روز بعد انتقال ہوا۔ مگر رسالۂ قشیریہ میں جو علامہ

عہ طبقات الکبریٰ۔ عہ نفحات الانس۔ عہ طبقات الکبریٰ۔

شعرانی کا اصل ماخذ ہے سمنون کی وفات جنید سے پہلے بتائی گئی ہے۔ اور یہی ہمارے نزدیک قابل اعتبار ہے۔

ابوبکر احمد بن نصر زقّاق کبیر۔ جنید سے صحبت رہی تھی۔ اور مصر کے اعلےٰ مشائخ مین تھے۔ اِن کا قول تھا کہ جس مین فقر کے ساتھ اتقا نہین وہ صرف حرام کھانا کھایا کرتا ہے۔ اِن کا سنہ وفات تو نہین معلوم ہان اتنا جانتے ہین کہ انتقال سے مصر مین سناٹا ہوگیا تھا اور ضرورت نہین باقی رہی تھی کہ کوئی صاحب دل درویش اُس سرزمین کی طرف رُخ کرے۔[۱]

مصعب بن احمد بن مصعب جو صوفی اور زاہد کے نام سے مشہور تھے۔ جنید سے صحبت بھی رہی تھی۔ اور آپ کے پیر بھائی بھی تھے۔ ۲۷۰ھ مین جنید کی وفات سے بہت پہلے سفر آخرت کیا۔[۲]

ابوحمزہ محمد بن ابراہیم بزار بغدادی یہ بھی جنید کے اقران مین تھے۔ اگرچہ فقیہ اور قرآن پاک کے بڑے عالی مرتبہ عالمون مین تھے مگر شمار عباد و زہاد اور صوفیہ مین ہے۔ پہلے بغداد کی مسجد رصافہ مین وعظ کہا کرتے تھے پھر مدینہ طیبہ مین ہجرت کر گئے اور مسجد نبوی مین وعظ کہنے لگے۔ ایک جمعہ کو مسجد نبوی مین وعظ کہتے کہتے منبر پر سے گرے اور حالت متغیر ہوگئی۔ دوسرے جمعہ کو انتقال ہو گیا۔ امام احمد بن حنبل کا معمول تھا کہ ہر کبھی مسئلہ پیش ہوتے وقت اِن سے بھی پوچھ لیا کرتے۔ اور کہتے کہ تم کیا کہتے ہو یا صوفی۔ اِن کا انتقال بھی جنید سے پہلے ۲۸۹ھ مین ہوا۔[۳]

ابوجعفر بن الکریتی۔ اِن کا شمار بھی جنید کے معاصر ملنے اور نفع اُٹھانے والون

---

[۱] رسالۂ قشیریہ۔ [۲] ابن اثیر۔ [۳] طبقات الکبریٰ۔

مین ہے۔ بعض لوگ اِنھین جنید کا اُستاد بتاتے ہین۔ اور انتقال بھی جنید کی زندگی مین ہوا ہے۔ جب ان کی وصال کی گھڑی آئی اور ان پر نزع کا عالم طاری تھا تو جنید سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً جنید کا سر آسمان کی طرف اُٹھ گیا۔ ابوجعفر نے کہا "بہت دور ہے" یہ سُن کے جنید نے زمین کی طرف نظر جھکالی۔ ابوجعفر نے پھر وہی فقرہ کہا کہ "بہت دُور ہے" مطلب یہ تھا کہ وہ خلاق عالم بہ نسبت اس کے بہت زیادہ قریب ہے کہ اُسکی طرف اشارہ کیا جائے۔[۵]

ابوعمرو حماد قرشی بغدادی۔ جنید کبھی کبھی اُن کے پاس جایا کرتے تھے۔ جعفر خلدی کہتے ہین۔ مین ایک دن اُن سے ملنے کو گیا۔ وہ نہ تھے۔ بیٹھ کے انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر مین جب وہ آئے تو مجھے لے کے اپنے حُجرے مین گئے۔ اتفاق سے اُن کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بی بی کا مقنعہ لیجا کے بیچا۔ اور کھانا لے کے آئے تھے۔ اُسے ہم سب کھانے کو بیٹھے ہی تھے کہ ایک شخص نے تیس اشرفیان (دینار) لا کے پیش کین۔ اِنھون نے یہ رقم دیکھ کے بہت پیچ وتاب کھایا۔ اور آخر قسم کھا گئے کہ نہ لون گا۔ بی بی ان باتون کو سُن رہی تھین۔ چلا اُٹھین کتنا ج بھی میرا مقنعہ بیچ کے کھانا لائے ہین۔ یہ ماجرا دیکھ کے جعفر خلدی جنید بغدادی کے پاس آئے اور اُن سے کیفیت بیان کی۔ جنید نے اُنھین بُلا بھیجا۔ اور کیفیت دریافت کی۔ فرمایا "جب مین نے بازار مین مقنعہ لیجا کے دلال کو دیا ہے اور اُس نے اُسے بیچا تو میرے کان مین ہاتف غیب کی آواز آئی کہ یہ کام تم نے میرے لیے کیا ہے اس لیے اِس کا جواب بھی تم کو مل جائے گا۔ وہ جواب میرے خیال مین یہی دینار تھے۔" یہ سُن کے جنید نے کہا تو تم نے اچھا کیا جو

[۵] نفحات الانس۔

اس رقم کو نہ لیا۔ ان کے انتقال کا زمانہ ہمین نہین معلوم ہوسکا۔

ابو محمد رُویم بن احمد بغدادی فقہ داؤد اصفہانی کے فقیہ بڑے گران پایہ بزرگ اور جنید کے نامور اہل صحبت مین سے تھے۔ حضرت جنید نے اپنے مرید و خادم ابو عمرو زجاج کو اُنھین کے پاس جانے سے منع فرمایا تھا۔ کیونکہ اِن کی ظاہری حالت ایسی تھی کہ رمز توحید کے ناآشناؤن کے دل مین بدظنی پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ رویم ایک دن بغداد کی گلیون مین پھر رہے تھے۔ راستے مین پیاس لگی۔ ایک مکان کے دروازے پر ٹھہر کے پانی مانگا۔ اندر سے ایک لڑکی آبخورہ لیے ہوئے آئی۔ اور ان کی صورت دیکھ کے بولی "صوفی اور دن کو پانی پیے!" اس جملہ نے کچھ ایسی غیرت دلائی کہ پھر کبھی اِنھون نے روزہ نہ چھوڑا اور صائم الدہر رہے۔ حضرت جنید کے پانچ چھ برس بعد ۳۰۳ھ مین وفات پائی۔ رویم اگرچہ جنید کے دوست تھے۔ مگر جوشِ عقیدت سے اپنے آپ کو اُن کا شاگرد اور مرید بتایا کرتے تھے۔

ابو الحسن علی بن سہل اصفہانی۔ اِن سے جنید سے اکثر خط و کتابت رہتی تھی۔ بڑے نیک نفس بزرگون مین تھے۔ معمول تھا کہ اکثر چپکے ہی چپکے اور چھُپ چھُپ کے لوگون کے قرض کا پتہ لگاتے۔ اور جب معلوم ہوجاتا تو حتی الامکان بغیر اُنھین خبر کیے اپنے پاس سے قرض ادا کردیتے۔ اور پھر جا کے اُن سے کہتے کہ "خدا نے تمھین قرض سے مخلصی دی"۔ یہ نہین معلوم کب وفات پائی۔

ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی۔ اِنھون نے بڑی عمر پائی۔ ذوالنون مصری کی صحبت اُٹھائی تھی۔ ادیب اور عالم تھے۔ اور اپنے زمانے مین رَے کے شیخ تھے۔

۱؎ نفحات الانس۔ ۲؎ رسالۂ قشیریہ۔ ۳؎ طبقات الکبریٰ۔

جنید سے اُن سے نہایت ہی عمدہ مراسلت ہوئی تھی ۔ اور جنید نے انھین لکھا تھا کہ "خدا تمھین اپنے نفس کا مزہ نہ چکھائے ۔ اس لیے کہ اگر تم نے یہ مزہ چکھ لیا تو پھر اُس کے بعد کبھی بھلائی کا مزہ نہ چکھو گے" ۲۹۲ھ مین انتقال فرمایا[۱]۔

ابو العباس احمد بن محمد ادمی ۔ بڑے مشہور مشائخ مین تھے ۔ قرآن کی رمز فہمی اور اُس کے معانی و مطالب بیان فرمانے مین خاص ناموری رکھتے تھے ۔ تصوف کی نسبت کہا کرتے تھے " وہ ایک اخلاق ہے جس کا اہل مین نے جنید اور ابن عطاء کے سوا کسی کو نہین پایا[۲]" ۔ اور جنید کی نسبت فرمایا کرتے " اماسنا فی ہذا العلم و مرجعنا المقتدی بہ الجنید" یعنی اس علم (باطن) مین ہمارے امام اور وہ مرکز جن کی پیروی کی جائے جنید ہین[۳]" ۔ ۳۰۹ھ یا ۳۱۱ھ مین سفر آخرت کیا[۴]۔

ابو حمزۂ خراسانی نیشاپوری یہ بھی جنید بغدادی کے اقران معاصرین اور اُن کی صحبت پانے والون مین تھے ۔ بڑے نیک پارسا اور پرہیزگار تھے ۔ جنید بغدادی زندہ موجود تھے کہ ۲۹۰ھ مین اُن کا انتقال ہو گیا ۔ طبقات الکبریٰ مین امام احمد بن حنبل کا مسائل فقہی پوچھنا اِن کی طرف بھی منسوب کر دیا گیا ۔ حالانکہ جن بزرگ سے امام احمد مسئلے پوچھتے وہ ابو حمزۂ بغدادی تھے ۔ علیٰ ہذا القیاس اُن کا سال وفات ۲۹۰ھ بتایا ہے ۔ مگر ہم رسالۂ قشیریہ کو زیادہ قابل وثوق خیال کرتے ہین ۔

ذو النون قراقلیج مجنون یہ بھی اُس زمانے کے ایک صاحب باطن تھے جو بظاہر مجنون نظر آیا کرتے ۔ ایک دن جنید اُن کے پاس گئے اور پوچھا بتایئے " آپ مجنون کیونکر ہو گئے " جواب دیا مین دنیا مین قید کیا گیا تو اُس کے (اپنے اصلی وطن عالم آخرت کے)

---

[۱] نفحات الانس ۔ [۲] طبقات الکبریٰ ۔ [۳] نفحات الانس ۔ [۴] طبقات الکبریٰ ۔ [۵] رسالۂ قشیریہ ۔

فراق مین مجنون ہو گیا۔ [۱]

ممشاد دینوری یہ بھی جنید کے مشہور معاصرون مین تھے۔ ۲۹۹ھ مین انتقال ہوا۔[۲]

ابو الحسن بن علی مسوحی۔ ان کو لوگون نے جنید کے اساتذہ مین شمار کیا ہے۔ مگر وہ اپنے ولی اللہ شاگرد کے کمال کے اِس درجہ معترف تھے کہ ایک بار جنید سے "اُنس" کے بیان مین کچھ تقریر کی تو از خود رفتہ ہو کے کہ اُٹھے "ہائے! آسمان کے نیچے جتنے جاندار ہین سب مر جائین تو بھی یہ تقریر سننے کے بعد میرے دل کو وحشت نہ ہو۔" سنہ وفات نہین معلوم۔

اسی طرح ابو احمد قلانسی یعقوب مزبّل۔ ابو یعقوب اقطع کے نام بھی آپ کے اقران و معاصرین مین بتائے گئے ہین۔ ابو یعقوب مکہ معظمہ مین تھے۔ مگر آپ سے نامہ و پیام رہتا تھا۔

آپ کے شاگردون اور آپ کی صحبت سے فیض اٹھانے والے مریدون مین سے سب کے پہلے ۳۰۶ھ مین قاضی فقیہ ابو العباس احمد بن عمر بن شریح نے انتقال فرمایا جو ایک دفعہ آپ کا وعظ سُن کے معتقد اور مرید ہو گئے تھے۔ اور جب صحبت وعظ مین فصاحت و بلاغت کا جوہر دکھاتے تو کہتے کہ یہ صرف جنید بغدادی کی صحبت کا فیض ہے۔ فقہ مین انھین امام شافعی سے یون فیض پہونچا تھا کہ وہ قاسم انماطی کے شاگرد تھے۔ انماطی نے امام مُزنی سے علم حاصل کیا تھا اور مزنی امام شافعی کے ارشد تلامذہ مین تھے۔ ابن شریح اِس پایے کے مصنف تھے کہ چار سو کتابین تصنیف کین۔ اور فقہ شافعیہ کو اُن کی ذات سے اِس قدر تقویت ہوئی کہ ائمۂ شافعیہ مین اُن کا درجہ لوگ

---

[۱] نفحات الانس۔ [۲] رسالۂ قشیریہ۔ طبقات الکبریٰ مین ان کا سن وفات ۲۹۸ھ بتایا گیا ہے۔ [۳] نفحات الانس۔

خود مزنی سے بڑھ کے بتاتے ہین۔ محمد بن داؤد ظاہری سے اُن سے مناظرہ بھی رہا تھا۔

ابومغیث حسین بن منصور حلاج جن کا نعرۂ انا الحق بلند کرکے دار پر چڑھنا عوام او خصوص شعرا مین انتہا سے زیادہ مشہور ہے یہ بھی حضرت جنید کے فیض یابان صحبت مین تھے۔ فارس کے شہر بیضا مین پیدا ہوے۔ عراق کے شہر واسط مین نشو و نما ہو اور بغداد کے پھاٹک باب الطاق پر ۳۰۹ھ مین ہاتھ پاؤن کاٹ کے نہایت بے رحمی سے مارے گئے۔ ان کی نسبت مورخین اور علماے سیر مین بڑا اختلاف ہے۔ بعض انھین ایک پاک باطن شیخ زمانہ بتاتے ہین اور بعض ایک ملحدانہ خیال کا باغی اور سلطنت کا مخالف و دشمن۔ مگر ان امور کو خدا نے چاہا تو ہم انھین کی ایک جداگانہ لائف مین تفصیل سے بیان کرین گے۔

ابو محمد احمد بن محمد حریری۔ ان کا شمار جنید کے نامور مریدین اور اصحاب مین ہے۔ مرتے دقت تک یہ آپ کی خدمت مین رہے۔ اور یہی آپ کے بعد آپ کی سجادہ نشینی کی عزت سے شرفیاب ہوئے اور ۳۱۱ھ مین سفر آخرت اختیار کیا۔

ابو اسحٰق ابراہیم رقی۔ انھین ابو عثمان حیری کی بھی صحبت حاصل ہوئی تھی جو نیشاپور مین اقامت گزین تھے۔ مگر جنید سے بھی بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا علاوہ باطنی کمالات کے علوم ظاہری مین بھی ممتاز تھے ۳۳۰ھ سے پیشتر ہی انھون نے دنیا کو رخصت کیا۔

ابوبکر محمد بن موسی واسطی۔ اصلی وطن خراسان کا شہر فرغانہ تھا جنید او نوری

سے۔ مرآۃ الجنان یافعی۔ سے ابن خلکان۔ سے کسی نے حریری لکھا ہے اور کسی نے جزیری۔ ہم نہین کہہ سکتے کہ صحیح کیا ہے۔ سے رسالۂ قشیریہ۔ سے طبقات الکبری۔

کی بابرکت صحبتوں سے فیض باطنی حاصل کیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک عالی مرتبہ عالم بھی تھے۔ چنانچہ اصول تصوف مین ان سے زیادہ مباحث کسی نے نہین لکھے۔ جوانی ہی مین بغداد کو خیرباد کہ کے چلے گئے اور مرو مین اقامت اختیار کرلی۔ اور وہین سنہ ۳۲۰ھ مین انتقال فرمایا۔

ابوبکر احمد بن محمد بن سعدان بغدادی انھون نے بھی جنید و نوری کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا۔ اور علوم ظاہر و باطن مین تبحر رکھتے تھے۔ مگر افسوس ان کا سنہ وفات نہین معلوم۔

ابوعلی احمد بن محمد رودباری۔ نشو و نما تو بغداد مین ہوا تھا۔ مگر مصر مین اقامت گزین ہو گئے تھے۔ جنید بغدادی سے صحبت رہی تھی۔ علم باطن کے شیخ ہونے کے علاوہ ایک عالی مرتبہ محدث اور حافظ حدیث تھے۔ فخریہ کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنے استادون پر ناز ہے۔ کیونکہ تصوف مین میرے استاد جنید بغدادی تھے۔ فقہ مین ابوالعباس شریح تھے (جو جنید کا وعظ سن کے ان کے شاگردون مین داخل ہو گئے تھے) ادب مین ثعلب تھے۔ اور حدیث مین ابراہیم حربی۔ سنہ ۳۲۲ھ مین رہ نورد عالم بالا ہوئے۔

ابوبکر محمد بن علی الکتانی۔ بغداد کی خاک سے پیدا ہوئے۔ جنید نوری اور ابوسعید خراز کی صحبت سے برکت حاصل کی۔ اور ہجرت کر کے مکۂ معظمہ مین چلے گئے۔ اور وہان کے مشہور شیوخ مین سمجھے جانے لگے۔ چنانچہ مرتعش کہا کرتے تھے کہ "الکتانی سراج الحرم" یعنی کتانی شمع حرم ہین۔ سنہ ۳۲۲ھ مین خاص مکہ مین انتقال ہوا۔

ابومحمد عبداللہ بن محمد مرتعش نیشاپوری۔ انھین خراسان اور عراق کی دونون

سلہ رسالۂ قشیریہ۔ سلہ طبقات الکبریٰ۔

مشہور باطنی درس گاہون سے فیض پہونچا تھا۔ کیونکہ ابوحفص۔ ابوعثمان۔ اور جنید بغدادی کی صحبتون سے برکتین حاصل کی تھین۔ نیشاپور کے محلۂ حیرہ کے رہنے والے تھے وطن سے فیض روحانی حاصل کرنے کے بعد عراق کی راہ لی۔ اور بغداد مین آ کے جنید کی صحبت مین باریاب ہوئے۔ یہان یہ خاص مسجد شونیزیہ مین رہا کرتے تھے۔ جو اہل باطن اور مشائخ طریقت کا مرکز بنی ہوئی تھی[۱]۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ بغداد تصوف بغداد مین تین عجیب وغریب لوگ ہین۔ شبلی اشارات مین۔ مرتعش مکاشفات مین۔ اور جعفر خلدی حکایات مین۔ ۳۲۸ھ مین سفر آخرت کیا۔

ابوالحسن علی بن محمد مزین۔ انھون نے صحبت جنید سے فیض اٹھایا تھا۔ اتقا و پرہیزگاری مین مثل نہ رکھتے تھے۔ آخر یہ بھی ہجرت کر کے حرم محترم مکہ مین جا بسے اور وہین ۳۲۸ھ مین انتقال ہوا۔

ابویعقوب اسحٰق بن محمد نہرجوری۔ یہ بھی حضرت جنید کے باغ علم کے خوشہ چینون مین ہین۔ کمال حاصل کرنے کے بعد حرم محترم مکہ مین ہجرت کر گئے۔ اور وہین ۳۳۰ھ مین پیوند زمین ہوئے۔

ابوبکر دلف بن جحدر شبلی یعنی مشہور شبلی بغدادی۔ ان کا خاندان تو خراسان کے علاقۂ اسروشنہ کا تھا مگر بغداد مین پیدا ہوئے اور وہین نشو و نما پایا۔ خیر نساج کی صحبت مین حاضر ہو کے توبہ کی۔ پھر جنید بغدادی کے مکتب روحانی مین حاضر ہو کے فیض باطن حاصل کرنے لگے۔ فقط صوفی ہی نہین فقہ مالکی کے فقیہ بھی تھے۔ حدیثین بھی بہت لکھین۔ ستاسی برس کی عمر پا کے ۳۳۴ھ مین رہ نورد عالم آخرت ہوئے اور

---

[۱] رسالۂ قشیریہ۔ [۲] طبقات الکبریٰ۔

بغداد کے مقبرۂ خیزران مین دفن ہوئے۔ ان کے حالات ہم عنقریب ایک جداگانہ کتاب مین شائع کرین گے۔

ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد اعرابی۔ بصرہ وطن تھا۔ بغداد مین حضرت جنید کی مریدی و شاگردی سے فیض اُٹھایا۔ نوری عمرو مکی۔ مسوحی۔ اور ابوجعفر حداد کے نفوس قدسیہ سے برکتین حاصل کین۔ اور ہجرت کر کے مکے چلے گئے جہان شیخ الحرم بنے۔ اور ۳۴۱ھ مین سفر آخرت کیا۔

ابوعمرو محمد بن ابراہیم زجاجی کا وطن نیشاپور تھا۔ جہان ابوعثمان کی صحبت فیض مین پہونچے۔ پھر بغداد مین آ کے جنید کے مریدون مین شامل ہوئے۔ اور اُن کی خدمت کرنے لگے۔ نوری۔ رُدیم۔ اور خواص کی صحبتون سے بھی فیض پایا۔ یہی ہین جنھین جنید بغدادی نے رویم کی خدمت مین جانے سے منع فرمایا تھا۔ اور انھین کو سفر حج کے لیے کمر باندھتے وقت ایک بابرکت درہم دیا تھا۔ پھر ہجرت کر کے مکہ معظمہ مین اقامت گزین ہو گئے۔ تقریباً ۶۰ حج کیے۔ مکہ مین شیخ الحرم قرار پائے۔ اور ۳۴۸ھ مین عالم آخرت کی راہ لی۔

ابومحمد جعفر بن محمد بن نصر خواص۔ بغداد مین پیدا ہوئے۔ اور وہین پرورش ہوئی۔ جنید کی صحبت مین پہونچے اور اُن کی درسگاہ باطنی مین زانوے ارادت تہ کر کے کمال روحانی حاصل کیا۔ جنید نے انجیر وزیری اُنھین سے منگوائے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا۔ نوری۔ رویم۔ سمنون اور حریری کی صحبت ہاے فیض سے بھی نفع اُٹھایا۔ بغداد ہی مین ۳۴۸ھ مین وفات پائی۔ اور شونیزیہ مین جنید اور سری سقطی کی قبرون کے

ع۱ رسالۂ قشیریہ۔ ع۲ طبقات الکبریٰ۔ ع۳ رسالۂ قشیریہ۔

پاس مدفون ہوئے ہیں اگرچہ بغداد ہی مین پیدا ہوئے وہین رہے اور وہین پیوند زمین ہوئے۔ مگر حتی الامکان حج ناغہ نہ ہوتا تھا چنانچہ انھون نے بغداد کی سکونت ہی مین ساٹھ حج کر لیے۔ اِن کے پاس مشائخ صوفیہ اور علمائے باطن کے تصانیف و تحریرات کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔

ابو بکر کسائی دینوری۔ انھون نے حضرت جنید کی وفات سے پیشتر ہی انتقال فرمایا اور اگرچہ اقران و امثال مین تھے مگر شاگردون اور مریدون کی طرح حضرت جنید سے فائدہ روحانی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھون نے ہزار مسائل لکھ کے دریافت کیے تھے۔ اور جنید نے اُن سب کے جواب تحریر فرمائے تھے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا۔

ابو محمد عبد اللہ بن عطاء رازی۔ نیشاپور وطن تھا۔ اور جنید سے ارادت رکھنے کی بدولت بغداد اِن کی درس گاہ باطن تھا۔ جنید بغدادی کے علاوہ اپنے وطنی شیخ باطن ابو عثمان حیری سے بھی فیض حاصل کیا۔ اور بغداد مین آکے رویم و سمنون کی صحبتون سے بھی فیض اُٹھایا۔ حدیث کے بڑے متبحر عالم تھے۔ تقوی و تفقاہت مین ممتاز تھے۔ اور جب تصوف کا شوق ہوا تو حیرت انگیز ریاضتین کین۔ اور ۳۰۶ھ مین داعی اجل کو لبیک کہی۔

ابو الحسن علی بن بندار بن حسین صوفی صیرفی۔ اصول تصوف کے بڑے گران پایہ عالم اور نیشاپور کے معظم ترین مشائخ مین تھے۔ اور انھین جیسے جیسے اولیاء اللہ اور مشائخ کی صحبت اور زیارت نصیب ہوئی تھی کسی کو کم نصیب ہوئی ہے۔ نیشاپور مین ابو عثمان اور محفوظ کو دیکھا۔ بغداد مین جنید رویم سمنون۔ ابن عطاء۔ اور حریری کی زیارت کی۔ شام مین مقدسی اور ابن جلاء کی صحبت مین پہونچے۔ اور مصر مین ابو بکر مصری زقاق اور

رودباری سے ملے۔ اور ۳۵۹ھ مین داعی حق کو لبیک کہی

ابوعمرو اسماعیل بن نجید سلمی شیخ خراسان ابوعثمان سے فیض صحبت اُٹھایا۔ اور اُن کے ممتاز و مخصوص اصحاب مین شمار کیے جاتے ہین۔ مگر بڑی خوش نصیبی کی یہ بات تھی کہ جنید سے ملنے اور اُن کی متبرک صورت کی زیارت کرنے کی عزت بھی حاصل ہوئی تھی۔ ثقہ تھے۔ اور روایت حدیث کرتے تھے۔ ۳۶۶ھ مین سفر آخرت کیا

مذکورۂ بالا مشہور بزرگون اور نامور مشائخ کے علاوہ مندرجۂ ذیل بزرگون کے نام بھی آپ کے حالات مین آ گئے ہین۔ مگر افسوس کہ اِن کے جُدا گانہ حالات ہمین طبقات الکبریٰ وغیرہ مین نہین ملے کہمش بن الحسین جو ہمدان کے شیوخ مین تھے۔ جنید کو روحانی قوت سے اپنے شہر مین اور اپنے دروازے پر پہونچ جاتے دیکھا تھا۔ ابن شاہین جنھون نے آپ سے لفظ "مع" کے معنے پوچھے تھے۔ ابن عطار جو آپ کی وفات کے وقت آپ کے بچھونے کے پاس موجود تھے۔ ابوعبداللہ مکانسی جن کے سامنے وہ بیتاب عورت آئی تھی جس کا بیٹا کھو گیا تھا۔ ابوحاتم عطار۔ حماد قرشی۔ موتل۔ جصاص۔ وغیرہ۔

یہی لوگ ہین جن کے ذریعے سے حضرت جنید کا روحانی فیض نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہونچا ہے۔ اور مولانا حالی نے آج کل کے مشائخ کی حالت دکھا کے اگرچہ بہت صحیح لکھا ہے

یہی ہین جادہ پیمائے راہ طریقت | مقام اِن کا ہے ماورائے شریعت
انھین پر ہوئی ختم آج کشف و کرامت | انھین کے ہے قبضے مین بندون کی قسمت

یہی ہین مراد اور یہی ہین مرید آپ
یہی ہین جنید اور یہی بایزید آپ

۱؎ طبقات الکبریٰ۔ ۲؎ نفحات الانس۔ ۳؎ طبقات الکبریٰ۔

مگر یہ بھی کیا کم ہے کہ اُن کے نام لیوا تو ہین ۔

وفات

جن بزرگون نے روحانی ترقی حاصل کرکے اپنے آپ کو اُس ذات ابدی وسرمدی سے وابستہ اور اُس کے وجود مین محو کر دیا ہے اُن کے لیے موت نہین ۔ کیونکہ وہ اپنی ہستی کو زندگی ہی مین مٹا کے حیں ہستی سے قائم ہو گئے ہین اُس کے لیے نہ موت ہے نہ فنا لیکن ہان ان بزرگون مین موت ایک دلچسپ اور پسندیدہ تغیرِ حالت یا ایک روحانی سیر کا نام ہے کہ یہان سے اُٹھے اور وہان چلے گئے ۔ یا جس طرح قطرہ دریا مین مل کے بہ ظاہر فنا ہو جاتا ہے اُسی طرح اپنا دُنیوی تشخص چھوڑ کے اُس نورِ محض کے ناپیدا کنار سمندر مین پہونچ گئے ۔ اور اسی لیے صوفیہ موت کو موت نہین بلکہ انتقال یا وصال کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین ۔

جب آپ کے وصال کا زمانہ قریب ہوا ۔ اور مرض نے اپنا زور دکھا کے دوستون اور فیض پانے والون کو ڈرانا شروع کیا تو ابو محمد حریری نے جو مریدین خاص مین تھے اور آپ کے بعد آپ کی خانقاہ کے سجادہ نشین ہوئے حاضر ہو کے عرض کیا ۔ "آپ کچھ فرمانا چاہتے ہین ؟" فرمایا "ہان ۔ مین مر جاؤن تو نہلا کفنا کے میری نماز پڑھ دینا" یونان کے اخلاقی و روحانی حکیم دیو جانس کلبی کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ سکندر نے پاس کھڑے ہو کے پوچھا "مجھ سے کچھ چاہتے ہو؟" تو اُس نے جواب دیا کہ ہان اس قدر کہ ذرا میری دُھوپ چھوڑ کے اُدھر کھڑے ہو جائیے ۔" ہم سمجھتے ہین کہ انتقال کرتے وقت جنید کی یہ وصیت

اِس سے کم پُر لطف و بلیغ نہین ہے۔ کیونکہ اُنھون نے وہی باتین بتائین جو پس ماندون پر فرض تھین۔ اور جن کو وہ ہر طرح بجا ہی لاتے۔ یہ جواب سُن کے حریری اور سب لوگ جو پاس کھڑے تھے رونے لگے۔ اتنے مین آپ نے فرمایا" ایک اور بات بھی چاہتا ہون" پوچھا" وہ کیا؟" ارشاد ہوا" میرے دوستون کے لیے دعوت ولیمہ کا سامان مہیا رکھنا تاکہ مجھے دفن کر کے جیسے ہی واپس آئین کھانا کھلا دیا جائے"۔ یہ سُن کے حریری پر اور زیادہ رقت طاری ہوئی۔ زار وقطار روئے۔ اور بولے" خدا کی قسم اگر یہ آنکھین (جنید کی) بند ہوگئین تو پھر کبھی ہم دو آدمی ایک جگہ جمع نہ ہوسکینگے"۔ اور ایسا ہی ہوا۔ مشائخ صوفیہ کی صحبت کا مرجع و مرکز آپ کی ذات تھی۔ آپ کی وفات کے ساتھ ہی بغداد کے اہل ذوق کا وہ مجمع ٹوٹ گیا۔ اور گو بڑے بڑے اہل دل ولی اللہ پیدا ہوئے۔ مگر جنید کے زمانے کی سی پاک وصاف صحبت اولیا پھر آنکھون کو دیکھنا نصیب ہوئی۔ چنانچہ ابوجعفر فرغانی کہتے تھے کہ" بخدا اسے لایزال ایسا ہی ہوا جیسا کہ حریری نے کہا تھا۔ وہ سارا مجمع حضرت شیخ ہی کی برکت اور اُن کے ہم مین موجود ہونے کے باعث تھا"۔

اسی مرض موت مین جب کہ بالکل وقت اخیر تھا ابن عطا عیادت کو آئے۔ اور بچھونے کے پاس ٹھہر کے سلام کیا۔ جواب مین آپ کی طرف سے ذرا تاخیر ہوئی۔ پھر آہستہ سے جواب سلام دیا۔ اور معذرت خواہ ہوئے کہ اس تاخیر کو معاف کیجیے۔ اِس لیے کہ مجھ پر اِس وقت ایک خاص حالت طاری تھی۔ جب وہ رفع ہوئی تو مین آپ کی طرف توجہ کرسکا۔

انتقال فرماتے وقت وصیت کردی کہ میرے تمام تصانیف اور وہ سارا کلام

۱؎ طبقات الکبری۔ ۲؎ رسالۂ قشیریہ۔

جو میرا کہا جاتا ہے میرے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دیا جائے"۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا "دنیا میں رسول اللہ صلعم کے علم کے موجود ہوتے ہوئے میں نہیں پسند کرتا کہ کوئی ایسی تحریر چھوڑ جاؤں جو میری جانب منسوب ہو"۔ اللہ اکبر! کیا احتیاط تھی! اور کیا لوگ تھے! اُن کی اس احتیاط کو دیکھو کہ سوا حدیث نبوی کے اپنی کسی چیز کو حجت بنا کے مسلمانوں میں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اور پھر اس کے بعد اُن صدہا ملفوظات کو دیکھو جن کا ایک بڑا بھاری ذخیرہ ان آخری صدیوں میں متاخرین صوفیہ نے جمع کر دیا ہے۔

اب آپ کے وصال کا زمانہ آ پہنچا۔ جمعہ کا متبرک دن تھا۔ اور بغداد میں نوروز معتضدی[۱] کے جشن منائے جا رہے تھے۔ کہ آپ پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ بجائے اس کے کہ آپ مرض کی تکلیف سے کراہتے یا اپنے دنیا سے جانے پر یاس و حسرت کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتے ایسی نازک گھڑی میں آپ نے تلاوت قرآن شروع کر دی

---

[۱] طبقات الکبریٰ۔ جس طرح ہندوستان کی اسلامی سلطنت کو محاصل کا زمانہ معین کرنے کے لیے قدیم ہندی سنہ شمسی اختیار کرنا پڑا اسی طرح خلافت عباسیہ کو مجبور ہونا پڑا تھا کہ ایرانیوں کے قدیم شمسی سنہ سے کام لے۔ چنانچہ معمول تھا کہ مجوس کے یوم نوروز سے تحصیل وصول کا زمانہ شروع ہو جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجوس کا یوم نوروز مسلمانوں کے لیے بھی ایک ممتاز اور خاص خوشی کا دن قرار پا گیا تھا یہاں تک کہ معتضد باللہ عباسی نے ۲۸۲ھ میں یعنی اپنی تخت نشینی کے چوتھے سال تمام ملک میں اور کل والیان ملک کے نام فرمان جاری کیے کہ بجائے نوروز مجوس کے ۱۱ حزیران سے تحصیل وصول کا زمانہ شروع کیا جائے۔ اور یہ دن مسلمانوں میں نوروز سمجھا جائے جس کا نام اس نے نوروز معتضدی رکھ دیا۔ اس کے بعد بھی یہ نوروز عباسیہ میں ہمیشہ منایا گیا۔

استحضار کی حالت نے طول کھینچا اور آپ نے پورا قرآن مجید اول سے آخر تک پڑھ کے پھر سرے سے شروع کر دیا۔

ابو محمد حریری حاضر ہی تھے۔ کلامِ الٰہی مین آپ کا یہ انہماک دیکھ کے پوچھا "ابوالقاسم ضعف و ناتوانی کی یہ حالت ہو رہی ہے اور آپ برابر تلاوت کیے جاتے ہین!" جواب دیا "مجھ سے زیادہ قرآن پڑھنے کا کسے حق ہو سکتا ہے؟ اس لیے کہ وہ (اللہ جل شانہ) میرے صیفۂ عمری کو لپیٹ رہا ہے۔ جو کچھ کر سکون کر لینا چاہیے۔"

اب دوبارہ قرآن پاک شروع کیا تو اگرچہ طاقت جواب دے چکی تھی مگر تلاوت سے زبان نہ رو کتے تھے۔ سورۂ بقر کی ستر آیتون تک پڑھنے پائے تھے کہ روح پرواز کر گئی اور دنیا اُس منبع فیض سے خالی ہو گئی جس کے روحانی فیض قیامت تک جاری رہین گے اور جس کے باطنی انوار رہتی دنیا تک اہلِ دل کے سینون مین حقیقت و معرفت کی شمعین روشن کرتے رہین گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سنہ وفات مین تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض ۲۹۸ھ بتاتے ہین۔ اور بعض ۲۹۷ھ علامۂ ابن خلکان نے اگرچہ ۲۹۸ھ والی روایت کو ضعیف خیال کیا ہے مگر ہمین دیگر قدیم اور مستند اہلِ تصانیف کے بیان سے زیادہ قابلِ وثوق یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا وصال ۲۹۸ھ مین ہوا۔

جمعہ کے دن سہ پہر کو آپ نے سفرِ آخرت کیا تھا۔ اس لیے اس دن نہ کُل مریدین جمع ہو سکے۔ اور نہ تجہیز و تکفین کا سامان ہو سکا۔ دوسرے دن ہفتہ کو غربی بغداد یعنی دریاے دجلہ کے مغرب جانب کی آبادی مین قبرستان شونیزیہ مین اپنے ماموں اور

---

۱ ابن خلکان۔ ۲ رسالۂ قشیریہ۔ ۳ ابن خلکان۔

مرشد حضرت سری سقطی کے پہلو میں آغوش لحد کے سپرد کیے گئے۔ آپ کا مزار پُر انوار آجتک بغداد میں مشہور اور مرجع انام ہے جہاں لوگ زیارت کو آتے۔ اور برکتیں حاصل کرتے ہیں۔

آپ کے خلیفہ اور آپ کے سجادے پر بیٹھنے والے حریری کا بیان ہے کہ جنید بغدادی کے پڑوس میں ایک گھورا تھا جہاں ایک مجنون شخص پڑا رہا کرتا تھا۔ اُنھیں مٹی دینے کے لیے ہمارے ساتھ وہ بھی قبرستان میں گیا۔ مگر بعد فراغتِ دفن جب ہم چلے تو وہ قدم بڑھا کے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور مجھ سے کہا "ابو محمد حریری۔ کیا تمھارا خیال ہے کہ اپنے اس سردار کو ہاتھ سے کھونے کے بعد میں پھر اس گھورے پر جاؤں گا؟" اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:۔

وا اسفا من فراق قوم ۔۔۔ ھم المصابیح والحصون

ہائے! افسوس اُن لوگوں کے فراق میں جو چراغ (ہدایت) اور قلعہ (حملۂ شیطان سے بچنے کے) تھے۔

والمدن والمزن والرواسی ۔۔۔ والخیر والامن والسکون

اور شہر تھے۔ اور ابر تھے۔ اور پہاڑ تھے اور نیکی تھے اور امن تھے اور سکون تھے۔

لم تتغیر لنا اللیالی ۔۔۔ حتے توفتھم المنون

ہمارے حق میں راتوں (زمانے) میں انقلاب نہیں ہوا یہاں تک کہ موت نے اُن کی زندگی ختم کر دی۔

فکل جمر لنا قلوب ۔۔۔ وکل ماء لنا عیون

تو سب چنگاریاں گویا ہمارے دل ہیں اور سارے چشمے گویا ہماری آنکھیں ہیں یہ اشعار ختم کرتے ہی وہ ایک طرف بھاگ چلا گیا۔ اور اس کے بعد کبھی اُس کی صورت

عـــہ عوارف المعارف۔

نہ دکھائی دی۔

اب آپ کی زندگی کی سرگذشت ختم ہوچکی تو ہمین یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ جنید بغدادی نے کن کن زمانون اور کیسے کیسے انقلابون کو اپنی عبرت بین آنکھون سے ملاحظہ فرمایا۔ ہم ثابت کر آئے ہین کہ آپ مامون رشید کے آخر عہد مین پیدا ہوے تھے۔ جس نے ۲۱۸ھ مین دنیا کو رخصت کیا تھا۔ اور ۲۹۸ھ مین رہگرا ے عالم جاودان ہوے جبکہ المقتدر باللہ کو سریر خلافت پر بیٹھے تین برس ہوچکے تھے۔ اس حساب سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بارہ عباسی خلیفون کا زمانہ پایا۔ مامون کے مبارک عہد کو آپ کی بچپن کی آنکھین نہ بھی دیکھ سکی ہون تو آپ نے المعتصم کا زمانہ ضرور دیکھا ہوگا۔ کیونکہ اول سے آخر تک آپ کی زندگی دار الخلافہ بغداد ہی مین گذری۔ اور المعتصم کے مرنے کے وقت یعنی ۲۲۷ھ مین آپ کی عمر یقیناً گیارہ برس کی ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے الواثق۔ المتوکل۔ المنتصر۔ المستعین۔ المعتز۔ المہتدی۔ المعتمد۔ المعتضد المکتفی اور المقتدر کے زمانون کو یکے بعد دیگرے دیکھا۔ ان مین سے بعض اپنی موت سے مرے بعض ذلت کے ساتھ تخت و تاج سے جدا کیے گئے۔ اور بعض تخت خلافت پر بٹھائے گئے۔ ان انقلابات سے آپ کو ناپائداری عالم کے کیسے کیسے سبق ملے ہون گے۔ اور کیسے کیسے ہنگامون نے آپ کے دل مین دنیاے دنی کی بے وقعتی نہ ثابت کی ہوگی۔

آپ کا سنہ وفات بھی عجب قیامت خیز سال تھا۔ اس لیے کہ دنیا آپ ہی کی ذات منبع الصفات سے محروم نہین ہوئی بلکہ اسی سال شیخ ابو عثمان حیری نے بھی

عـــہ طبقات الکبریٰ۔ عـــہ ماخوذ از ابن اثیر۔

انتقال کیا جو خراسان کے ولی کامل اور نیشاپور کی خانقاہ کے شیخ تھے۔ اسلامی تصوف کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اُن دونوں علوم باطن کی دو عظیم الشان درس گاہیں یا اہل ریاضت ہی کی اصطلاح میں کہیے کہ مشائخ روحانی کی خانقاہیں تھیں۔ ایک بغداد میں جس کے امام اور سید الطائفہ جنید بغدادی تھے۔ اور دوسری نیشاپور میں جس کے سجادہ نشین شیخ ابوعثمان حیری تھے۔ اور دونوں اپنے انوار فیض سے مشرق و مغرب کو نور عرفان سے منور کر رہے تھے۔ ایسے دونوں مشائخ باطن کا ایک ہی سال میں دنیا سے اُٹھ جانا سچ پوچھیے تو کوئی معمولی مصیبت نہ تھی۔

آپ کے فیض کے اُٹھ جانے اور دین محمدی کو آپ کے نہ ہونے سے صدمہ پہونچنے کا اس سے زیادہ نمایاں کیا نمونہ ہوگا کہ اسی سال خاص بغداد میں محمد بن بشیر نام ایک شخص ظاہر ہوا جس نے دعوے کیا کہ میں ہی خدا ہوں۔ بہت سے آدمی اُس کے فریب میں آ کے معتقد بھی ہو گئے۔ مگر خلافت کی طرف سے فوراً اس بے دینی کا سد باب کیا گیا۔ اور وہ مع اپنے مریدوں کے گرفتار کر لیا گیا۔ پھر خدا نے موت جنید کی روحانی مصیبت کو ایک نمایاں اور مادی آفت کی شان سے یوں دکھا دیا کہ بغداد سے تھوڑی ہی دور پر شہر موصل میں ایک ایسی زرد رنگ کی گرم اور جھلسا دینے والی باد سموم چلی کہ بہت سے آدمی اُس میں جل کے اور جھلس کے مر گئے[2]۔

ابو محمد حریری چونکہ آپ سے خاص دلی اور روحانی لگاؤ رکھتے تھے اور آپ کی جگہ سجادہ نشین ہوئے تھے اس لیے اُنھوں نے آپ کی وفات کے چند روز بعد آپ کو

---

[1] مرآۃ الجنان۔ [2] ابن اثیر۔

خواب مین دیکھا۔ پوچھا: ابو القاسم کیا حال ہے؟ انھون نے جواب دیا: وہ سب اشارے [illegible] گئے [illegible] سب مٹ گئین۔ اور ہمین صرف اُس سے نفع [illegible] وظیفہ [illegible]

معرفینِ کمال

آپ کے اعلیٰ کمال کا اعتراف ہمیشہ اور ہر زمانے مین کیا گیا۔ اور چونکہ [illegible] مختلفہ مین جھگڑنے اور ردّ و قدح کرنے سے آپ یا آپکے پیرون کو بہت کم علاقہ تھا اس لیے سوا خاص [illegible] کے کسی گروہ یا فریق کو آپ پر اور عموماً جماعت صوفیہ پر حملہ کرنے کا شوق نہین ہوا۔ بلکہ مخالفین بھی ایک عارضی جوش عداوت کے بعد خاموش ہو گئے۔ اِس کے مقابل معتقدین اور معرفینِ کمال کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی گئی [illegible] عقیدت نہین ہوا کرتی جو بعد والون مین ہوتا ہے۔ مگر آپ کے معاصرین بھی آپ کے کمال کے اِس قدر معترف تھے کہ بعض اوقات اُن کے کمال عقیدت کا حال سُن کے حیرت معلوم ہوتی ہے۔ [illegible] کا ذکر آچکا ہے جو آپ کے معاصر [illegible] باطن مین تھے آپ کے انتقال [illegible] خلیفہ بغداد نے کسی بات پر انھین بادب کر دیا تھا۔ انھون نے کہا مین ایک دن برابر [illegible] جنید کے پاس بیٹھا رہا ہون اور جسے نصف یوم جنید کی صحبت نصیب ہوئی ہو وہ بے ادب نہین ہو سکتا[2]۔

---

[1] رسالۂ قشیریہ۔ [2] نفحات الانس۔

شیخ نیشاپور و مقتدائے خراسان ابوعثمان حیری جو آپ کے مد مقابل ارباب باطن مین تھے۔ اور اسی سال رہگرائے عالم جاودان ہوئے جس سال کہ آپ کا وصال ہوا کہا کرتے لوگون مین اس بات کی شہرت ہی کہ "ساری دنیا مین صرف تین شخص ہین چوتھا نہین۔ ابوعثمان (یعنی خود مین) نیشاپور مین۔ جنید بغداد مین۔ اور ابوعبداللہ بن جلاء شام مین۔"

قول جصاص شیرازی کا قول ہے کہ "حکمت جنید کو دی گئی۔ شاہ کرمانی کو عالم وجد دیا گیا۔ ابوحفص کو اخلاق عطا ہوا۔ اور ابویزید بسطامی منزلت حیرت سے شرفیاب ہوئے۔"

ابوحفص حداد جو اعلیٰ ترین صاحب اخلاق مشائخ مین شمار کئے گئے ہین اور جنید کے استاد تھے وہ بھی آپ کے کمال کے اس قدر معترف ہو گئے تھے کہ کہا کرتے "اگر عقل مشخص ہوتی تو جنید کی صورت مین نمایاں ہوتی۔"

ابوسعید خراز کہا کرتے تھے "مین نے دو ہی صوفی دیکھے۔ ایک جنید اور دوسرے ابن عطاء۔" ان امور سے ہمارے ناظرین بخوبی واقف ہو چکے ہونگے کہ ابوالعباس بن شریح فقیہ شافعی [illegible] جھوٹ بولنے والے کے کلام مین نہین ہو سکتی [illegible] خوش بیانی پر کبھی نازان ہوتے تو کہا کرتے کہ "یہ صرف جنید کی صحبت کا فیض ہے۔"

[illegible] کلام پر اعتراض کرنے اور عیب چینی کے لیے جنید کی صحبت مین [illegible] ارادت ہو کے واپس گئے۔ ابوالحسن بن علی مسعودی باوجود [illegible]

[illegible] طبقات الکبریٰ۔

جنید کے اُستادون مین شمار کئے جاتے تھے وہ اُنس کے بیان مین اُنکی دلکش تقریر سُن کے چلا اُٹھے کہ آسمان کے نیچے جتنے ہین سب مرجائین تو بھی یہ پُراثر تقریر سُن لینے کے بعد مجھے وحشت نہوگی" یا رُویم باوجودیکہ دوست اور پیر بھائی تھے مگر فخریہ طور پر اپنے آپ کو جنید کا شاگرد بتایا کرتے۔

انھین فیوض اور بڑے بڑے صاحب کمال بزرگون کی عقیدت نے بعد والون کو آپ کے کمالات کا اور زیادہ معترف بنا دیا۔ ابو عبداللہ محمد بن خفیف ضبّی جو علوم ظاہری و باطنی مین اُستاد کامل تھے اور ۳۷۱ھ مین دنیا سے رخصت ہوئے اپنے مریدون کو حکم دیا کرتے تھے کہ "ہمارے شیوخ سابقہ مین سے پانچ بزرگ ایسے ہین جن کی تم ہر امر مین اقتدا کیا کرو۔ حارث ابن اسد محاسبی۔ جنید بن محمد بغدادی۔ ابو محمد رویم ابو العباس بن عطا۔ اور عمرو بن عثمان مکّی۔ اس لیے کہ یہ سب بزرگ علم ظاہر و باطن کے جامع تھے"

ایک دن کا ذکر ہے کہ یہی عبداللہ بن خفیف اور علی بن بندار صوفی شیرازی گلیون مین گزر رہے تھے۔ کچھ دور تک تو دونون برابر برابر گئے۔ لیکن ایک مقام پر جگہ تنگ تھی اور ضرورت ہوئی کہ آگے پیچھے ہو جائین۔ عبداللہ نے علی بن بندار سے کہا "آپ آگے چلیے" اُنھون نے کہا "وجہ؟ آخر مجھ مین کون سی فوقیت ہے کہ آپ سے آگے چلون؟" عبداللہ نے جواب دیا "اس سے بڑی کیا فوقیت ہو سکتی ہے کہ تم نے اُنھون (جنید بغدادی) کی زیارت نصیب ہوئی ہے؟"

یہ تو معاصرین اور بعد کے قریب العہد بزرگون کا اعتراف کمال تھا لیکن بعد کے

۱؎ رسالۂ قشیریہ۔ ۲؎ عوارف المعارف۔

زمانوں میں جو شہرت و ناموری حضرت جنید بغدادی اور اُن کے شاگرد رشید شبلی کو حاصل ہوئی دنیا کے کسی صوفی کو نہیں نصیب ہے۔ آپ کا نام زہد و اتقا کے لیے ضرب المثل اور مشرقی لٹریچر کا عنصر بن گیا۔ ہمارے شعرا کو آپ کا نام مستحضر ہے۔ ہمارا بچہ بچہ آپ کے نام کو ادب و تعظیم سے زبان پر لاتا ہے۔ اور ہمارے اولیاء و اتقیا تو آپ کے نقش قدم پر چلنے کو ذریعۂ معرفت یاد کرتے ہیں۔

حِلم

اب خاتمے پر ہم آپ کی چند نصیحتیں اور آپ کے کچھ کلماتِ حکمت نقل کرتے ہیں۔ ممکن تھا کہ یہ فقرے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور جنھیں مغربی اصطلاح سے کام لیا جائے تو "سنہرے کلمے" کہنا چاہیے آپ کی تعلیمات کے ضمن میں شامل کر دیے جاتے۔ مگر ہم نے انھیں اس لیے جدا کر دیا کہ یہ وہ باتیں ہیں جن کو تصوف کے ساتھ زیادہ تخصیص نہیں۔ بلکہ ان پر ہر شخص عام اس سے کہ کسی ملک و ملت کا ہو اور کسی خیال کا ہو صدق دل سے عمل کر سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

(۱) وہ جس کے لیے کوئی شبیہ و نظیر نہیں بھلا اُسے کیونکر مل سکتا ہے جس کے لیے شبیہ و نظیر ہے؟

(۲) سب صحبتوں سے اچھی اُن لوگوں کی صحبت ہے جو توحید کے میدان میں غور کرتے رہتے ہیں۔

(۳) توکل دل کا کام ہے اور توحید دل کا کلام۔

(۴) جو علم نہ بدلے نہ پلٹے نہ متغیر ہو اُس کا یقین دل مین قائم ہو جاتا ہے۔

(۵) اختیار کے اُٹھا دینے کا نام رضا ہے۔

(۶) راست باز کی حالت دن مین چالیس بار بدلتی ہے اور ریاکار چالیس برس تک ایک ہی حالت پر قائم رہتا ہے۔

(۷) حقیقی سچائی یہ ہے کہ تو اُن موقعون پر سچ بولے جہان بغیر جھوٹ کے مفر نہ نظر آتا ہو۔

(   ) فتوت (چشم پوشی) یہ ہے کہ تو فقیر سے وحشت نہ کرے اور غنی کا معارض نہ ہو

(۹) فتوت یہ ہے کہ تو اذیت پہونچانے سے باز رہے اور فیاضی کو جاری کرے۔

(۱۰) فتوت شام مین ہے زبان عراق مین ہے۔ اور سچائی خراسان مین۔

(۱۱) جب محبت سچی ثابت ہو جاوے تو پھر شرائط ادب ساقط ہو جاتے ہین۔

(۱۲) محبت زیادتی میلان کا نام ہے جو بغیر نیل مرام کے ہو۔

(۱۳) ہر محبت جو کسی غرض کے لیے ہوتی ہے اُس غرض کے حاصل ہوتے ہی جاتی رہتی ہے۔

(۱۴) اصلی محبت یہ ہے کہ محبت کرنے والے کے صفات کی جگہ محبوب کے صفات قائم ہو جائین۔

(۱۵) جملگی تمام اشغال کے چھوڑ دینے اور اُس شغل مین مصروف ہو جانے کا نام ہے جو اصل فراغت ہے۔[۵]

(۱۶) گزری بات کی طرف توجہ کرنا آنے والی حالت سے غافل ہو جانا ہے۔

---

[۵] رسالہ قشیریہ۔

(۱۷) پابندیِ ادب بندگی۔ اور بے ادبی سرکشی ہے۔

(۱۸) دل وزبان سے نعمتون کے اعتراف کرنے کا نام شکر ہے۔

(۱۹) رجاء (اُمید) اس بات کی دستاویز ہے کہ فیاض فیاضی کرے گا۔[۱]

(۲۰) ذی علم لوگون کی آفتین اورون کی آفتون سے بڑھی ہوئی ہین۔

(۲۱) علم کی ایک قیمت ہے جبتک وہ قیمت نہ لے لو کسی کو نہ دو۔ اور وہ قیمت یہ ہے کہ اُسی شخص کو دو جو عمدگی سے اُس کا حامل ہو سکے۔ اور اُسے ضائع نہ کرے۔[۲]

خاتمہ

یہ تھے جنید بغدادی علیہ الرحمہ جو گزر گئے اور افسوس کہ اُن کا ذکر بھی ختم ہو گیا اب سوا اس کے کیا باقی ہے کہ خدا ہمین اُن کے نقش قدم پر چلنے اور اُن کے حکم اور نصائح سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے۔ ہم آج کل اکثر سمجھدار اور عاقبت اندیش لوگون کو کہتے سنتے ہین کہ صرف گزشتہ بزرگون اور نامور ان قوم پر فخر و ناز کرنے سے کچھ نہین ہو سکتا۔ اگر ہمین اپنی عظمت و حرمت قائم رکھنا ہے تو خود کر کے دکھانا چاہیے۔ اور واقعی یہ صحیح ہے۔ لائق باپ کے نالائق بیٹے کو تو کوئی پوچھتا ہی نہین پھر عالی مرتبہ مرشد و شیخ کے نالائق و ناکارہ محض ارادت کیش کی کوئی کیا عزت کرے گا؟ ہم اُن بزرگون پر ناز کرنے کے مستحق جب ہی ہو سکتے ہین جب اپنے آپ کو اُن کے اقوال و افعال کا نمونہ بنائین۔ اور ویسے ہی بن جائین جیسے کہ وہ تھے مصرع

---

[۱] عوارف المعارف۔ [۲] طبقات الکبری۔

لہذا اپنے قدردان ناظرین سے رخصت ہوتے وقت ہماری آخری دعا اور
سچی آرزو وتمنا یہ ہے کہ "خداوندا! وہ اگلے جنید جو گزر گئے اُنکو اپنے جوار رحمت
مین لے۔ اور اُن کے عوض اپنے فضل و کرم سے ہم مین کوئی زندہ جنید
پیدا کر۔ آمین"

خاتمۃ الطبع

دلگداز پریس نے اِس بات کا اہتمام شروع کیا ہو کہ وہ معزز مشاہیر جن کے اسمائے گرامی زدِ فارسی لٹریچر مین اکثر آیا کرتے ہین چاہے کسی گروہ اور کسی طبقے کے ہون اُن کے سوانح عمری جُدا جُدا کتابون اور رسالون کی حیثیت سے شائع کیے جائین جن مین سے پہلی لائف حضرت جنید بغدادی کی شائع کی جاتی ہو جس طرز پر تحقیق و جستجو کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی ہو اگر ایسی ہی کوشش جاری ہی تو امید ہو کہ اُردو زبان مین ایک اچھا اور مفید لٹریچر پیدا ہو جائے گا۔ ابو بکر شبلی کی لائف مرتب ہو چکی ہو جو اس کی اشاعت کے ساتھ ہی چھپنا بھی شروع ہو گئی۔ بایزید بسطامی۔ حسین بن منصور حلاج کے سوانح عمری زیر ترتیب ہین۔

بہت سے معزز اور قدر دان احباب دردمند نے عام اجازت دے دی ہو کہ اس سلسلے کی جو کتاب شائع ہو ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کارڈ بھیج کے اُن کی خدمت گرامی مین وی۔ پی۔ بھیج دی جایا کرے مین نے اس قسم کے فیاض قدردانان سخن کی ایک فہرست مرتب کرنا شروع کر دی ہو۔ اور یہ فہرست جس قدر بڑھتی جائے گی اُسی مقدار مین یہ کتابین سستی بھی ہوتی جائین گی۔ کیونکہ اگر ۵۰۰ قدردانون کے نام جمع ہو جائین تو ایسی جنید بغدادی کے حجم و حیثیت کی کتاب فی جلد ۸ ر کے حساب سے دی جائے گی۔ اور اگر اُن کی تعداد ایک ہزار کو پہونچ جائے تو فی جلد ۶ ر کے حساب سے۔

ابو بکر شبلی کی لائف جو چھپ رہی ہے اور عنقریب شائع ہو گی اِس پہلی کتاب سے زیادہ مکمل ہے۔ گو ابھی اُس کی قیمت اور اُس کا حجم نہین بتایا جا سکتا مگر ہم اتنا اطمینان دلا سکتے ہین کہ اُس کی قیمت بھی ایک روپیہ سے زیادہ نہ ہو گی۔ جن احباب نے اپنے معزز نام اِس فہرست مین درج کرا لیے ہین اپنے احباب کے نام بھی براہ کرم درج کرائین۔ تاکہ ہم زیادہ مستعدی سے اس سلسلہ کو جاری کرین اور جلد جلد کتابین شائع ہوتی رہین کم از کم ہر دو مہینے مین تو ایک کتاب مکمل ہو جائے۔

خاکسار۔ منیجر دلگداز

احتیاط

جس نسخہ مین اِس مقام پر مصنف کے دستخط نہ ہون اُسے مال مسروقہ تصور کرنا چاہیے -
اور جن حضرات کی خدمت مین بغیر دستخط کی ہوئی کوئی کتاب پہونچے ایک کارڈ بھیج کے مصنف کو فوراً اطلاع فرمائین -

..........اڈیٹر دلگداز